بِسۡمِ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ

وَابۡتَغُوۡا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃ

اُس (اللہ) کیطرف وسیلہ تلاش کرو

وَسِیۡلَہ

تالیف

حضرت لِسَان القوم مَسِیۡحِ مِلَّتۡ مَولٰنا فقیر محمد نعمت اللہ خاں صُوفی

مدُ ظلّہ'

بِسۡمِ اللّٰہِ الۡعَزِیۡز

گذارِش

وہ حضرات جو صرف ظاہری طلب رکھتے ہیں اور علمِ معرفت و حقیقت کے طالب نہیں ہیں اُنہیں یہ کتاب جو اسرار و رموزِ الٰہی کی آئینہ دار ہے کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ اِس کتاب کو پڑھنے کی تکلیف ہی نہ کریں۔

البتہ وہ حضرات جو طالب حق و صداقت ہیں اور اَلۡفَقۡرُ فَخۡرِیۡ وَ الۡفَقۡرُ مِنِّیۡ (یعنی فقر پر میں فخر کرتا ہوں اور فقر مجھ سے ہے) کے راز طلبگار ہیں اور عبدیت کی شان میں ثابت قدم شریعت حقّہ کے پابند اور طریقت و معرفتِ الٰہی کے شیدائی ہیں۔ انہیں اس اُن پر ظاہر ہوگی اور مَنۡ رَاٰنِیۡ فَقَدۡ رَاَی الۡحَقَّ (یعنی جس نے مجھے دیکھا پس اس نے حق کو دیکھا اور مَنۡ عَرَفَ نَفۡسَہٗ فَقَدۡ عَرَفَ رَبَّہٗ ○ یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچانا۔ پس اُس نے اپنے رب کو پہچانا) کے انوار و تجلیّات سے منور ہو کر شک و طُغیان جَلی و خفی سے نجات پا کر شش جہات میں توحیدِ حقیقی کا جلوہ دیکھیں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

تَشکُّر

اسرار معرفت و رموز الٰہی، عرفان و تصوف سے مَعمُور کتاب ''وسیلہ'' کی طباعت میرے ایمانی بھائی جناب عبدالحیم میاں بھائی پان والے ساکن ڈبھوئی نے بہ یادگار عید میلاد حضرت مظہر ذات مہدی موعود امام آخرالزماںؑ بغرض اِفادہِ طالبان حق کروائی۔ اللہ تعالیٰ انہیں دونوں جہان کی نعمتوں برکتوں سے مالا مال کردے۔ آمین۔ فقیر صوفی غفرلہٗ

کتاب ملنے کا پتہ

اے۔ایم پان والا: ٹاور روڈ، پوسٹ ڈبھوئی (ضلع بڑودہ)

۱۴ر جمادی المنور ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۶ر نومبر ۱۹۵۹ء قیمت ایکروپیہ نوآنے

تقریظ

حضرت مرشدی ومولائ فقیر سید نجم الدین صاحب قبلہ سجادہِ دائرہ کلاں (اہل مشیر آباد)

لِسَانُ الْقوم جناب مولوی فقیر محمد نعمت اللہ خاں صاحب صُوفی میرے والد بزرگوار حضرت زُبْدَۃُ الْعارِفین قدْ وۃُ السَّالکین عارف ذات میاں سید انور المعروف بہ مہتاب میاں صاحب قبلہ رحمت اللہ علیہ کے تربیت' مقبول نظر مُرید خاص ہیں۔حضرتِ ممدُ وح نے صوفی صاحب کو بہ توجہِ خاص تعلیماتِ باطنی اور اَسرارِ معرفت سے جو سینہ بہ سینہ چلے آرہے ہیں سنوارا ہے یوں کہوں تو حق بہ جانب ہوگا کہ صوفی صاحب کا سینہ نُورِ توحید اور معرفتِ الٰہی سے مَعْمُور ہے۔

اِسی نُور کی بدولت آپ نے دین حَقَّہ کی بڑی تبلیغی خدمت انجام دی اور دے رہے ہیں۔آپ کے ہاتھ پر کئی ایک مسلمان ہندو اور پارسی تک مہدوی ہوئے ہیں۔جن میں سے کئی لوگوں کو میرے ہاتھ پر بیعت کروائی ہے۔

ترکِ دُنیا اور فقیری کے بعد میں نے خود انہیں بیعت لینے کی اجازت دی ہے۔اور ایک عظیم جلسۂ عام میں جس میں اکابرینِ قوم کے عِلاوہ صاحبانِ ارشاد فقراءِ کرام اور عُلمائے عظام بھی شریک تھے میں نے اِن کے سر پر دستارِ

فقیری باندھی اور خرقۂ خلافت پہنایا ہے۔ کیونکہ اب اِن کا رُوحانی رشتہ اور عِلاقہ مجھ ہی سے ہے۔

جناب صوفی صاحب کی تالیف کردہ کتاب ''وسیلہ'' میں فنِ تصوّف وعرفان الٰہی وسُلوک اور تعلیماتِ باطنی سے متعلق جو کُچھ لکھا ہے وہ بہ سند صحیح اور حق ہے۔

مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب ''وسیلہ'' طالبان حق کے لئے حقیقت میں وسیلہ ثابت ہوگی اور منزل مقصود کو پہونچائیگی۔ انشاءاللہ تعالیٰ میں دعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جناب صُوفی صاحب کو اِس جزائے خیر دے اور اِس کتاب کو شائع کرنے والوں کو دین ودُنیا کی بھلائیوں اور برکتوں سے سرفراز کرے اور قوم کے خواص وعوام کو اِس کتاب سے فیض حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ فقط

فقیر سید نجم الدین اہل دائرہ کلاں

(ج)

تقریظ

حضرت علاّمہ ومولٰنا فقیر ابُو العَائذ سید احمد صاحب منوری مدظلّہٗ

لسَانُ القوم جناب مولوی فقیر محمد نعمت اللہ خاں صاحب صُوفی کی تالیف الموسُوم بہ ''وسیلہ'' بہ فن الٰہیات تصوّف وسُلُوک بزبانِ اردو برنگِ سلاست بغایت جامع اور قلب ونگاہِ عرفان کی رُوح ورَواں ہے۔ مَراتب و منازِل سُلُوک کی جنابِ صُوفی نے بذریعہ ''وسیلہ'' جو تفہیم کی ہے اُس سے اِک سیرِ عرفانی اور دید رُوحانی کا پتہ بھی چلتا ہے۔

جناب صوفی نے اسرارِ تصوف جو پیش کئے ہیں وہ بہ شان عہد قایم نہیں بلکہ جس شان سے شفاف آئینہ اپنے مقابل کے آگے اُس کے خدوخال جلوہ گر کر دیتا ہے۔ اُسی طرح فنِ تصوّف کے موضوع یعنی اِنسان کے آگے اُس کے وجود کی غرض وغایت آپ نے رکھ دی ہے۔ گویا انسان کیا ہے اور وہ کہاں سے آیا ہے اور وہ کہاں جائیگا۔

صرف اِنسان ہی نہیں، رنگ برنگ، نوع بہ نوع، کیف بہ کیف کائیناتِ ارضی وسماوی کا منبع اور سرچشمہ کیا ہے۔ اور یہ جذب ہوگی تو کہاں اور کس وجود میں۔

یوں تو بیسیوں بزرگوں نے اِس فن کے تعلق سے کُچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ لیکن جنابِ صوفی کی یہ عُقدہ کشائی اپنی آپ مثال ہے۔ اقوال وارشاداتِ اربابِ عرفان کی نقل کتابت جناب صوفی کے اس احسان کا بدل بہ تشکّر صرف ہدیۂ سیم وزر ہی نہیں بلکہ اس کا پیش کش مومن کے قلب وجگر کے ٹکڑے بھی ہونگے۔

فنِ الٰہیات تصوّف جس قوم کا سرمایۂ ایمان وعمل ہے وہ کبھی ناشناسِ قدر صوفی ہونہیں سکتی۔

فقط

فقیر ابوالعائذ احمد منوریؐ

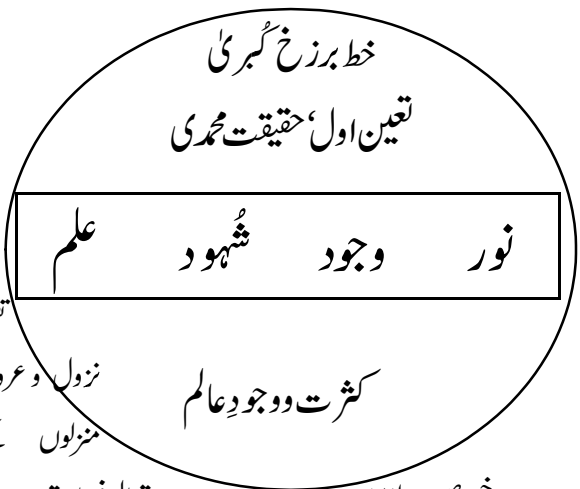

بِسۡمِ اللّٰہِ الۡعَزِیۡز

تشریح اِصطلاحات

صوُفیائے کرام اور عُلماءِ محققین علم تصوّف (جس کو علم معرفت بھی کہتے ہیں) میں نزول و عروج حقیقتِ آدمؑ کے مقامات اور منزلوں کے سلسلہ میں جو خصوصی الفاظ استعمال فرماتے ہیں اون کو اِصطلاحات کہتے ہیں۔

اُن مقررہ اصطلاحات کے سِوا دوسرے الفاظ کا استعمال مشکل ہوتا ہے کیونکہ سمجھنے میں مشکل اور معنیٰ و مطلب کے بدل جانے کا اندیشہ پیدا ہوجاتا ہے۔ اس لئے مجبوراً وہی اصطلاحات استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اون اصطلاحات کی تشریح کردی جائے تا کہ علم تصوّف وعِرفان کے مبتدیوں کو سمجھنے میں آسانی ہوجائے اس لئے مختصراً تشریح کردی جاتی ہے۔

<u>اَحدِیت</u>: اَحدِیت وہ ہے جہاں ذاتِ مطلق اپنے اسماء وصفات سے مجرد ہو یعنی تنہا ہو۔ اور کوئی شے اس کے ساتھ نہ ہو۔ چنانچہ حضور معلم کائینات حضرت رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے کہ کَانَ اللّٰہُ وَلَمۡ یَکُنۡ وَمَعَہٗ شَیۡءٌ غَیۡرُہٗ، یعنی اللہ تھا اور کوئی شے اس کے غیر نہ تھی۔

اور حدیث قُدسی میں اللہ تعالیٰ بہ زبان حضرت رسول اللہ صلعم ارشاد فرماتا ہے کہ کُنۡتُ کَنۡزاً مَخۡفِیّاً ،

فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرِفَ ' فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ یعنی میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں۔ پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا''۔

ف اس حدیثِ قُدسی میں کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیّاً جو فرمایا گیا ہے اوسی مُقامِ مخفی کو جملہ صوفیائے کرام مقامِ احدیت کہتے ہیں مگر محققین مہدویہ کی اصطلاح میں اس مقام کو مرتبہ احدیت نہیں کہا جاتا بلکہ مرتبہ اَحَدْ کہتے ہیں۔ کیونکہ لفظ احدیت میں جو '' ت '' ہے وہ صفت پر دلالت کرتی ہے اور وہ مرتبہ مَخْفِیّاً صفات و اشارات سے بالکلیہ بالاتر ہے۔ مرتبہ اَحَدْ میں اسماء وصفات کا ظہور ہی نہیں ہے۔

یہ مقامِ تنزیہ ہے اس مرتبہ میں ذات کا کوئی نام مقرر نہیں لیکن محققین نے دوسروں کو سمجھانے کے لئے ذاتِ مطلق نام دیا ہے۔ اس مرتبہ اَحَدْ کو مرتبۂ اَحَدْ کو مرتبۂ لاتعین بھی کہتے ہیں جہاں کسی قسم کا تعین ہی نہیں کیا جاسکتا۔ وہ صرف ایک کنزِ مخفی ہے بس اِس مقام کو مقامِ ھاھوت بھی کہتے ہیں۔

وحدت: وحدت اُس مقام کو کہتے ہیں جہاں ذاتِ مطلق نے اپنے آپ کو اجمالاً پایا۔ اور جو کچھ اس میں یا اُس سے ہے اجمالاً پایا۔ اور جو کچھ اس میں یا اُس سے ہے اجمالاً مُشاہدہ کیا تو اول محمد صلعم کو مشاہدہ کیا۔ بلکہ محض مشاہدہ آنحضرت صلعم کیا اوسی مقام کو صوفیائے کرام مقامِ وحدت کہتے ہیں۔

مگر محققین مہدویہ کی اصطلاح میں اس مقام کو مرتبۂ اَنَا کہتے ہیں کیونکہ ذاتِ مطلق نے اِس مرتبہ میں اپنے آپ کو اجمالاً پایا۔ یعنی اپنے آپ کو دیکھا اور اپنے آپ ہی کو پایا۔ اس لئے محققین مہدویہ اس مقام کو مرتبۂ اَنَا کہتے ہیں۔ اور مرتبہ احدیت بھی کہتے ہیں۔

ف اس مرتبہ میں ذاتِ مطلق نے جب اپنے آپ پر اجمالاً جلوہ کیا تو حُبْ یعنی چاہت (خواہش) پیدا ہوئی کس سے چاہت پیدا ہوئی؟ اپنی آپ ذات سے چاہت پیدا ہوئی۔ چنانچہ حدیث قدسی میں فَاَحْبَبْتُ جو فرمایا گیا ہے اِسی مقام حُبْ (محبت) کی طرف اشارہ ہے۔

جب ذاتِ مطلق نے اس مرتبہ میں اپنے آپ کا مشاہدہ کیا تو اپنی ذات میں ''محمدؐ'' صلعم کا مشاہدہ ہوا۔ اس لئے اس مرتبہ حقیقتِ محمدی صلعم بھی کہتے ہیں۔ اور اسی مقام کو لاھوت بھی کہتے ہیں۔

وَاحِدِیت: جب ذاتِ مطلق کواس بات کی خواہش ہوئی کہ ''میں پہچانا جاؤں'' جیسے مرتبۂ وحدت میں اجمالاً جلوہ کیا ویسے تفصیلاً بھی جلوہ آرائی کرے۔ پس ذات نے وجود عالم کی طرف توجہ فرمائی۔ اِس مقامِ ظہور بالتفصیل کو مرتبہ واحِدِیت کہتے ہیں۔

ف وَاحِدِیت صفات کا مرتبہ ہے یعنی واحدیت کثرت کا منشاءِ حقیقی ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں فَخَلَقْتُ الخَلَقَ جوفرمایا گیا ہے اسی جانب اِشارہ ہے۔

ف احدیت (مرتبہ احد) اور واحدیت کے درمیان وحدت یعنی حقیقتِ محمدی برزخ ہے۔ تاکہ مرتبہ احدِیت سے فیض لے اور مرتبہ واحدیت کو پہونچائے تاکہ عالم کی پرورش ہو۔ چنانچہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ بہ زبان حضرت رسول اللہ صلعم ارشاد فرماتا ہے کہ لَوْلَاکَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرُّبُوْبِیَّتَ یعنی ''اے محمدؐ اگر تم کو پیدا نہ کرتا تو اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا'' اس امر کی کھلی دلیل ہے۔

ف اب مزید خلاصہ کے طور پر بلاتشبیہہ نیچے کے دائرے پر غور کیجئے۔ پوری طرح سمجھ میں آجائیگا انشااللہ تعالیٰ۔ اوپر کی طرف قوسِ احدیت ہے اور نیچے کی طرف قوسِ واحدیت ہے۔ درمیان میں اوپر خط برزخِ کُبریٰ، تعینِ اول، مقام وحدت، حقیقتِ محمدؐی ہے۔ یہ چاروں نام ایک مرتبہ کے ہیں۔

اُس کے نیچے ظہور اُمّھاتُ الصِّفاتُ، پھر خطِ بَرْزَخْ صُغرت تعینِ ثانی، حقیقتِ آدم ہے۔ یہ تینوں نام ایک ہی مرتبہ کے ہیں۔

جس مرتبہ میں ذات مطلق ہے اس کا نام اَحَد (احدیت) ہے جب ذات اجمالاً ظہور پر مائل ہوئی اس کا نام وحدت یعنی مقام اَنَا ہے۔

جب ذاتِ مطلق نے اپنے اوپر خود تجلی کی یعنی بہ تعین اول اپنی ذات کو ظاہر کیا اس کا نام نُور ہے۔

اور اپنے آپ کو پایا یہ وجود ہے۔

اور اپنی خودی سے خود حضور ہوا یہ شہود ہے۔
اور ذات کو اسماء وصفات سے اجمالاً شعور ہوا یہ علم ہے۔
جب ذات نے کثرت اور وجودِ عالم کے ظہور پر توجہ فرمائی اس کا نام واحدیت ہے۔
بَرُزخِ صغریٰ اور حقیقت آدمؑ کی تفصیل حقیقت انسان کے عنوان میں ملاحظہ کیجئے۔

تمہیدِ حمد

کتابوں کی تصنیف وتالیف کی دنیا کا قاعدہ ہے کہ ہر کتاب کی ابتداء حمد باری تعالیٰ اور نعمت خاتمین علیھمُ السلام سے کی جاتی ہے کیونکہ ہر وہ کام جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حمد کے ساتھ شروع نہ کیا جائے وہ برکتوں

سے محروم ہوتا ہے چنانچہ معلم کائینات حضرت رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے کہ

کُلَّ اَمْرٍ ذِیْبَالٍ لَمْ یُبْدَاءُ بِحَمْدِ اللّٰہِ فَھُوَ اَقْطَعُ O

ف حمد کی کیفیت اور اس کی منزلوں پر قرآن حکیم کی روشنی میں غور کیجئے تو اس کی کیفیت وحقیقت اور اس کا مقام معلوم ہوگا کیونکہ غور وفکر کرنے ہی سے حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ ظاہری کیفیت اور نقالی سے حقیقت ظاہر نہیں ہوتی۔

حمد کے معنی ہیں کسی کی بزرگی یا تعریف وتوصیف کرنا۔ یہ دوئی میں ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ایک واصف یعنی تعریف کرنے والا۔ دوسرا موصوف یعنی جس کی تعریف کی جارہی ہے۔ حاصل یہ کہ ایک حامد ہوا اور ایک محمود۔

پس شریعت میں اس دُوئی کے بغیر چارہ نہیں۔ اسی لئے عبد ومعبود یا خدا اور رسولؐ کو ثابت کرنا واجب ہوا ۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمَنُوا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ O (پارہ ۵ رکوع ۱۷)

یعنی ''اے ایمان والو اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ''

یعنی اللہ اور رسولؐ کو یقین دل کے ساتھ مانو۔ اور جو اِن دونوں کو نہ مانے وہ کافر ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم کے پارہ (۶) رکوع (۱) میں اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے کہ ''جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولوں کے ساتھ کُفر کرتے ہیں۔ اور یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اُس کے رسولوں کے درمیان جدائی ڈالیں اور فرق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض سے انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ درمیانی راستہ اختیار کریں۔ یہی اصل کافر ہیں۔ اور ہم نے منکروں کے واسطے ذِلّت کا عذاب تیار رکھا ہے۔''

اس ارشادِ رَبُّ الْعِزَّت سے یہ ثابت ہوا کہ جو خُدا اور اُس کے رسولؐ میں جدائی ڈالتے اور فرق کرتے ہیں وہ کافر مطلق ہیں۔ الغرض خدا اور رسولؐ دونوں کو بلا فرق ماننا فرضِ عین ہوا۔ چنانچہ قرآن حکیم کے پارہ (۶) رکوع (۱) میں صاف ارشاد ہے کہ ''جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر اور اِن میں سے کسی کو جُدا نہ کیا۔ اُن کا ثواب عطا کریگا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔ چنانچہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اِس امر

کی بین دلیل ہے۔اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ بندے کو دو پر یعنی اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا از بس ضروری اور لازمی ہوا۔

ف: مگر طریقت میں دوئی شرک ہے۔اور شرک سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے۔چنانچہ قرآن حکیم کے پارہ (۱۷) رکوع (۱۱) میں فرماتا ہے کہ "میرے ساتھ کسی شئے کو شریک مت کر" اور شدت کے ساتھ ارشاد ہوتا ہے کہ "جو شریک کریگا اُس کو کبھی معاف نہیں کیا جائیگا۔اس کے علاوہ قرآن حکیم کے پارہ (۵) رکوع (۱۵) میں صاف ارشاد ہے کہ "بے شک اللہ کے ساتھ شریک کرنے والوں کو اللہ نہیں بخشتا۔اُن سے سوا جس کو چاہے بخشتا ہے۔پس گمراہ ہوا جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک لایا۔"

اب غور کا مقام ہے قرآن حکیم کی روشنی میں دونوں صورتیں سامنے ہیں۔ایک یہ کہ شریعت میں عبدیت و معبودیت کا ثابت کرنا ہے اور دوسرے یہ کہ طریقت میں دونوں کو مٹانا ہے۔وہ شریعت کا حکم اور یہ طریقت کا حکم بُولوُں تو مشکل اور اگر نہ بُولوُں تب بھی مشکل۔

ف اس کے علاوہ حضرت امامنا سید مہدی موعود علیہ السلام کا ارشاد صاف ہے کہ "ہر کہ خُدائے را مقید بنید او مشرک است"۔یعنی جو خدائے تعالیٰ کو مقید دیکھتے وہ مُشرِک ہے۔"

یہاں بصیرت کی انتہائی تعلیم دی جارہی ہے کہ ذات رَبُّ العزت کو ارض وسماء اور شش جہات میں جاری و ساتی دیکھے چنانچہ اَللّٰہ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرض ○ اور ہر شئے پر محیط کا نظارہ کرے۔چنانچہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَئیٍ مُحِیْط ○ اور جس طرف منہ کرو اور جس صورت پر نظر کرو اللہ ہی کا چہرہ نظر آنے لگے۔چنانچہ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْ فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ حتی کہ اپنے نفس میں بھی جلوہ ذات کا مشاہدہ کرے۔چنانچہ وَفِیٓ اَنْفُسُکُمْ اَفَلاَ تُبصِرُوْن ○

ف الحاصل اہل طریقت وہ لوگ ہیں جو شرک کی جڑ کو دل کی زمین سے اکھاڑ کر توحید کے گُل و بوٹے لگاتے ہیں۔اور حضرت محمد رسول اللہ صلعم کو مرتبہ وحدت میں نزول اول قرار دیتے ہیں اور آپ صلعم کو خدا سے جدا نہیں جانتے بلکہ مرتبہ احد میں اسم و مسمیٰ کا فرق بھی اُٹھادیتے ہیں۔اور شریعت کو طریقت کا پردہ نوش اور لباس

جانتے ہیں۔ اگر چہ کہ شریعت نزول میں آخر ہے۔ مگر عروج میں مقدم اور اول ہے لہذا شریعت کو مقدم رکھنا ضروری ہے۔

ف مقامِ شریعت بھی اس قدر اہم ہے کہ اِس کا اتباع نہایت مشکل ہے۔ چنانچہ حضرت امام سیدنا مہدی موعود علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ''شریعت بعد از فنائے بشریت''۔ یعنی بشریت کی فنا کے بعد شریعت کا مقام حاصل ہوتا ہے اللہ اللہ

پس یہ فقیر راقم الحروف بھی آدابِ شریعت کو پیش نظر رکھکر بہ کمالِ عجز وانکسار اولاً حمدِ رَبُّ الْعِزت سے عزت حاصل کرتا ہے۔

از خدا خواہیم توفیق ادب　　بے ادب مروم گشتہ از لطفِ رب

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد　　بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

حمد

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَالْمَہْدِیِّ الْمَوْعُوْدِ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمُ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِمَنۡ ھُوَ الۡاَوَّلُ بِالۡبَاطِنِ وَالۡآخِرُ بِالظَّاھِرِ وَطُوَ وَاحِدُ الۡوُجُوۡدِ غَیۡرَہٗ لَیۡسَ بِمَوۡجُوۡدٍ لَوۡ کَانَ فِیۡھِمَا اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَ تَا ھُوَ الۡاَوَّلُ وَالۡاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالۡبَاطِنُ وَھُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ

حمد وثنا کب پیدا ہوتی ہے؟ کمال و جمال پر نظر کرنے سے حمد وثنا پیدا ہوتی ہے۔ مرتبہ اَحَدْ میں وحدت وواحدیت اور صفات واسماء سب گم ہیں۔ نہ علم ہے نہ خبر۔ نہ بے علمی کا علم اور نہ بے خبری کی خبر۔ نہ حمد ہے نہ حامد نہ محمود۔ نہ خدا نہ رسول۔ نہ عبد نہ معبود۔ نہ عدم نہ وجود۔ نہ بیان نہ زبان۔ اسی مرتبہ ومقام کی نسبت حدیث قُدسی میں کُنۡتُ کَنۡزاً مَخۡفِیًّا اشارہ فرمایا گیا۔

یہ مقامِ تنزیہ ہے اِس مقام کو عالم ھاھوت بھی کہتے ہیں اَحَدْ حقیقت ہستی ہے۔ جس کے ساتھ کوئی شئے نہیں۔ وہ اور اس کی حقیقت بھی جدا نہیں بلکہ متحد ہے۔

نہ کُل ہے نہ جز۔ نہ عام ہے نہ خاص۔ اوسی کا نام ذاتِ مطلق ہے بلکہ اطلاق سے بھی پاک۔ عقل کا اُس کو پانا محال ہے۔ نہ اُس کا اِثبات کرسکتی ہے نہ نفی۔ وہ خود شاہد وہ خود مشہود ہے۔ اور خود ظاہر وخود مظہر۔ اپنے ظہور کی شدت میں آپ مخفی ومستور ہے کوئی غیر نہیں جو باعثِ ظہور ہو۔ ماسوٰی نہیں جو اُس کا حجاب ہوسکے وہ اپنا حجاب آپ ہی ہے اس لئے حجابات میں ظاہر تر اور بے حجابی میں پنہاں تر ہے۔

اِطلاق میں مخفی، تعینات میں ظاہر، پس عقل وفہم، تقریر وتحریر حقیقت ہستی کا کوئی نقشہ نہیں کھینچ سکتی۔ سکوت ہی بہتر ہے۔ چنانچہ حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام کا ارشاد مبارک مشعل راہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ

''دانستن ایمان، گفتن کفر'' یعنی جاننا ایمان ہے اور کہنا کفر ''

ف: حمد وثنا کب ممکن ہوسکتی ہے؟ جب کہ حامد اپنے محمود سے واقف ہو۔ تا وقتیکہ حامد اپنے محمود سے واقف ہو۔ تا وقتیکہ حامد اپنے محمود سے واقف نہ ہو، حمد وثنا ممکن نہیں۔ اگر واقفیت وآگاہی اجمالی حاصل ہوئی تو مرتبہ اَحَدْ نہ رہا بلکہ مرتبہ وحدت میں نزول ہوا۔ اس مقام کو عالمِ لاھوت بھی کہتے ہیں جہاں سب کچھ ہے اور کچھ بھی نہیں۔

سب کچھ اس اعتبار سے کہ جمع و اجمال محیطِ کُل ہے۔ اور کچھ بھی نہیں اس لحاظ سے کہ نہ تفرقہ نہ تفصیل۔ حامد و محمود جدا نہیں۔ اس لئے اِنّی اَنَا اللہ یہی اس مرتبہ وحدت کی حمد ہے۔

اگر واقفیت و آگاہی تفصیلی ہے تو مرتبہ وحدت سے مرتبہ واحدیت میں نزول ہوا۔ جمعاں عابد و معبود، ساجد و مسجود، حامد و محمود میں فرق و امتیاز ہے اس لئے اس منزل واحدیت کی حمد اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ہے۔

ف: منزل واحدیت میں حامد کی حالت کے اعتبار سے حمد کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: یہ کہ اگر محمود (مطلوب) کے کمال و جمال پر نظر کر کے صرف اُس کے بیان کی حد تک محدود رہا یعنی صرف زبانی تعریف کرتا رہا اور کوئی عمل اس کے اوصافِ جمیلہ کے مناسب نہ کیا تو یہ حمد قولی ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ ایسے اعمال و افعال بجالایا جو محمود (مطلوب) کے کمال اوصاف کے شایانِ شان ہو تو یہ حمد فعلی ہے۔

تیسری قسم یہ ہے کہ اُن اوصاف کاملہ سے جو محمود (مطلوب) میں پاتا اور دیکھتا ہے خود بھی مُتصِف ہو گیا۔ یعنی اپنے میں پیدا کیا۔ جس طرح ارشاد رب العزت ہے کہ تُخَلِّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ O یعنی ''تم اپنے میں اللہ کے اخلاق پیدا کرو''۔ کے مرتبہ پر پہونچ گیا تو یہ حمد حالی ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ بِحَمْدِہٖ

نعت شریف

مرتبہ اَحَدْ مرتبہ لاتعین ہے۔ جب کہ صفت علم کا ظہور ہوا تو اس نے اپنی ذات و صفات کو آپ ہی جانا اور جملہ

موجودات کو بطورِ اجمال اپنے آپ ہی میں پایا۔اس مرتبہ کا نام وحدتِ حقیقی ہے۔

ف: یہ مرتبہ، نزول مرتبہ، احد اور مرتبہ، واحدیت کا برزخ ہے۔جہاں ظاہر و باطن دونوں برابر ہیں۔وہ ہر ظاہر میں ظاہر ہے اور ہر باطن میں باطن ہے۔غرض کہ جملہ صفات وتعینات اجمالی کے ساتھ اپنے آپ کو جاننا وحدتِ حقیقی ہے۔

مگر اس تعین میں تفصیل نہیں بلکہ اَسْمَاء وصفات، ارواح وامثال بلا فوق وامتیاز متحد ہیں۔اُس کی مثال ایسی ہے جیسے تخم (بیج) تخم میں درخت کے تمام اجزاء۔تنہ، شاخ، پتے، پھول اور پھل وغیرہ بالا جمال سب موجود ہیں اور وہ سب متحد ہیں۔یہی منزل وحدت اور حقیقتِ محمدیؐ ہے۔

وہ حقیقت انسانی کی اصل ہے۔اور حقیقت انسانی شہود عالم کی اصل ہے۔یعنی جو ظہورِ عالم میں تفصیل کے ساتھ ہے اس کا خلاصہ حقیقتِ انسانی میں موجود ہے۔اور حقیقتِ انسانی میں جو کمال و جمال پوشیدہ ہے وہ سب حقیقتِ محمدیؐ پر ختم ہے اور وہی اصل الاصولِ ظہور و شہود ہے۔پس حقیقتِ محمدیؐ کی نعتِ حقیقی کیا ہوسکتی ہے؟

یہی حقیقتِ محمدیؐ جب مقامِ نبوت پر ظہور فرماتی ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ

كُنْتُ نَبِيّاً وَّادَمَ بَيْنَ الْمَاءِ وَطِيْنَ O یعنی میں اُس وقت نبی تھا جب کہ آدمؑ پانی اور مٹی کے درمیان تھے"۔اور یوں مژدہ جانفزا دیتی ہے کہ مَنْ رَانِي فَقَدْ رَاى الْحَق O یعنی "جس نے مجھے دیکھا پس اُس نے حق کو دیکھا"۔

اور یہی حقیقتِ محمدیؐ جب مقامِ ولایت پر ظہور فرماتی ہے ارشاد ہوتا ہے کہ

كُنْتُ وَلِيًّا وَّادَمَ بَيْنَ الْمَاءِ وَطِيْنَ O یعنی "میں اُس وقت ولی تھا جب کہ آدمؑ پانی اور مٹی کے درمیان تھے" اور یوں دیدارِ حق سے سرفراز کرتی ہے کہ "پھوٹ جائیں بندے کی آنکھیں اگر میں نے مھدیؑ کو دیکھا ہو۔میں نہ تو اپنے خدا کو دیکھا ہے"۔جس کے جواب میں یوں حقیقت آشکار فرمائی جاتی ہے کہ "خدا ہو سو خدا کو دیکھے"۔ سُبْحَانَ اللّٰهُ بِحَمْدِهٖ یہی عرفان حقیقی نعت ہے۔اِس لئے کہ ذاتِ الٰہی کا صفات سے مجرد ہونا اَحَدْ ہے اور صفات سے مُتصف ہونا واحدیت

اودھر اللہ سے واصِل اِدھر مخلوق میں شامل
خواص اُ برزخِ کبریٰ میں ہے حرف مُشدّد کا

علم معرفت کوعلمِ دین سے کیا نسبت ہے؟

صحیح بخاری اور مسلم نے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ

ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام بہ صورتِ انسان حضرت رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دوزانو ادب کے ساتھ بیٹھ کر سوال کئے کہ

پہلاسوال: یَا مُحَمَّدُ اَخبِرنِی عَنِ الاسلام O یعنی اے محمد صلعم مجھ کو خبر دیجئے اسلام سے یعنی حقیقت اِسلام کیا ہے بتلایئے۔

جواب: قَالَ اَلاِسلَامُ اَن تَشهَدَ اَن لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدُ الرَّسُولُ اللّٰهِ وَتُقِيمُ الصَّلوٰةَ وَتُوتِيَّ الزَّكوٰةَ وَتَقُومُ رَمَضَانَ وتَحجَّ البَيتَ اِنِ استَطَعتَ اِلَيهِ سَبِيلاً O قَالَ صَدَّقتَ O یعنی حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور یہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور اچھی طرح نماز ادا کرو۔ اور زکوٰۃ دو۔ اور رمضان کے روزے رکھو۔ اور بیت اللہ کا حج کرو اگر سفر خرچ کی استطاعت ہو۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا ''سچ فرمایا آپ نے''

دوسراسوال: قَالَ اَخبِرنِی عَنِ الاِيمَانِ O یعنی کہا خبر دیجئے مجھ کو ایمان سے''۔

جواب: قَالَ O اَن تُؤمِنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَومِ الاٰخِرِ وَ تُؤمِنَ بَالقَدرِ خَيرِهٖ وَ شَرِّهٖ وَ البَعثِ بَعدَ المَوتِ O قَالَ صَدَّقتَ O
یعنی'' آپ صلعم نے فرمایا کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر اور

قیامت کے دن پر اور ایمان لاؤ اُس کی تقدیر پر بھلی ہو یا بُری اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر''۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ'' آپ نے سچ فرمایا''۔

تیسرا سوال: قَالَ فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِحْسَانِ O یعنی پھر پوچھا مجھ کو خبر دیجئے کہ احسان کیا ہے؟

جواب: قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ O قَالَ صَدَقْتَ O یعنی آپ صلعم نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کر کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اس کو نہ دیکھ سکے تو (اس یقین سے عبادت کر کہ) وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے''۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ'' آپ نے سچ فرمایا''۔

حضور صلعم نے فرمایا کہ'' یہ جبرئیل تھے تمہیں دین سکھانے آئے تھے''۔

اب یہاں دین سیکھنے کی اہمیت غور طلب ہے۔ یہ کہ تلاشِ دین کرنا اور اُس کے سیکھنے کے لئے اگر سفر کی ضرورت ہو تو سفر کرنا جہاں سے سیکھنا ہو وہاں دوزانو ادب سے بیٹھنا۔ متانت سے پوچھنا اور ساتھ ہی تصدیق کرنا۔ اور دین کو اتنا سیکھنا کہ بصیرت اور مقام مشاہدہ حاصل ہو۔ اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اتنا تو ہو کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ مراقبہ کا اعتبار اور توجہ حاصل ہو جائے۔

ف: اس حدیث شریف میں تین سوال ہیں۔

ایک حقیقتِ اسلام کیا ہے؟ دوسرا ایمان کس کو کہتے ہیں؟ تیسرا احسان کیا چیز ہے؟

پہلے سوال میں اسلام کی حقیقت پوچھی گئی ہے۔ یہ فِقہ کی طرف اشارہ ہے جس میں اعمال و افعال' احکام و آداب شرعیہ کا بیان ہوتا ہے۔ اگر انسان احکام و اعمال سے واقف نہ ہوگا تو حقیقتِ اسلام سے بے خبر رہیگا۔ اس لئے کہ فقہ کے بغیر خدا اور رسول اللہ صلعم کی گواہی اور قواعد و شرائط اور احکام و آداب وغیرہ نماز' زکوٰۃ' رُوزہ اور حج سے متعلق معلوم نہ ہونگے۔ اس لئے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ احکامِ فقہ سے متعلق علم حاصل

کرے۔

دوسرا سوال ایمان سے متعلق ہے۔ یہ عقائد کی طرف اشارہ ہے۔یعنی اللہ پر ایمان لانا اور یقین کے ساتھ اعتقاد رکھنا اُس کی ذات وصفات برحق ہے۔اور اُس کے فرشتوں پر ایمان لانا کہ وہ نورانی بندے اللہ کے فرماں بردار ہیں۔اور اُس کی کتابوں پر ایمان لانا کہ یہ اُس کا کلامِ قدیم ہے جو اپنے رسولوں پر نازل فرمایا۔قرآن شریف سب سے افضل اور آخر کتاب ہے۔اور تمام رسولوں پر ایمان لانا کہ اللہ تعالیٰ نے اِن کو مخلوق کی ہدایت و رہبری کے لئے بھیجا۔ وہ معصوم اور گناہوں سے پاک تھے۔اور ایمان لانا کہ قیامت، بہشت و دوزخ، ثواب و عذاب سب برحق ہیں۔اور ایمان لانا تقدیر پر بھلی ہو یا بُری۔سب اللہ کی جانب سے ہے۔خیر سے راضی ہے اور شر سے ناراض۔اور ایمان لانا مرنے کے بعد اُٹھائے جانے پر۔ماریگا۔مار کر جِلائیگا۔ذرہ ذرہ کا حساب لیگا۔حق ہے۔

تیسرا سوال احسان سے متعلق ہے۔ یہ باطن کی طرف اشارہ ہے جس کو علمِ معرفت بھی کہتے ہیں۔وہ صدق دل کے ساتھ توجہ اِلیَ اللّٰہَ ہے۔ یہ بات عرفانِ حق یا علمِ معرفت ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔

ف: حضرت رسول اللہ صلعم کے اس ارشاد اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کانَّکَ تَرَاہُ سے ثابت ہورہا ہے کہ بندہ جس کی عبادت کررہا ہے اس کو دیکھ کر یعنی اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر عبادت یعنی نماز ادا کرے۔ یہ مرتبہ شہودؔ مقامِ مشاہدہ ہے۔

اور اگر بندہ میں اتنی روحانی قوت نہ ہو تو کم از کم اس یقین کامل کے ساتھ نماز ادا کرنی چاہئیے کہ جس کی نماز ادا کی جارہی ہے وہ (اللہ) اُس کو دیکھ رہا ہے۔ یہ مقامِ مُراقبہ ہے۔مگر پہلے مرتبہ (مقامِ مشاہدہ) سے کم تر ہے۔

اِن منازل و مقامات کی تعلیمات علمِ معرفت سے حاصل ہوتی ہیں۔اس کے بغیر ان کا حصول ناممکن ہے۔اگر ان تعلیمات کو حاصل نہ کیا گیا تو عبادات بے جان ہوکر رہ جائینگی۔ جیسے بغیر رُوح کے جسم۔انہیں تعلیمات کے لئے پیر کامل کی ضرورت ہے۔پیر ناقص اِن تعلیمات کی تکمیل نہیں کرسکتا۔

ف: طاعت وعبادت کے تین درجے ہیں۔

ایک یہ کہ صرف فرائض و واجبات وغیرہ کی تکمیل کر دیجائے ایسی عبادت بے کار ہے۔ صرف شرعی سزا سے بچ جائیگا۔ مگر آخرت میں اُس کا کچھ حصہ نہیں۔

دوسرا درجہ عبادت میں یہ ہے کہ جمیع ارکان و احکام کو آدابِ شریعت کے ساتھ ادا کرے تا کہ خدائے تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور ثواب عظیم حاصل ہو۔

تیسرا درجہ عبادت میں مقامِ مشاہدہ ہے اِس سے افضل و اعلیٰ کوئی مقام نہیں۔

ف: احکامِ شریعت کا جاننا اعتقادِ صحیح کے بغیر بے فائدہ ہے۔ اور اعتقادِ صحیح و احکام شریعت دونوں بے سود ہیں جب تک توجہ الیٰ اللہ پورے طور پر نہ ہو۔ یہ بات بغیر علم معرفت کے حاصل نہیں ہو سکتی۔

اِس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اعتقادِ صحیح، احکام شریعت اور توجہ الیٰ اللہ یعنی علمِ معرفت لازم و ملزوم ہیں۔ جیسے جسم اور رُوح۔

چنانچہ حضرت امام مالک رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وَمَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ وَمَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ مُحَقَّقٌ O یعنی جو صوفی ہوا اور فقیہ نہ ہوا (علم فقہ حاصل نہ کیا) پس وہ زندیق ہوا (بڑا بد دین) اور جو فقیہ ہوا اور صوفی نہ ہوا وہ بڑا فاسق ہوا۔ اور جس نے اِن دونوں کو حاصل کیا پس وہ بڑا محقق ہوا۔

لہذا ہر عالم کے واسطے ضروری ہے کہ علمِ دین حاصل کرنے کے بعد تصوف یعنی علمِ معرفت بھی حاصل کرے۔

علماءِ محققین یعنی پیرانِ کامل کی صحبت اختیار کرنے سے یہ دونوں باتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اسی لئے حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام نے بہ حکم خدائے تعالیٰ ''كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ O یعنی صادقین کے ساتھ ہو جاؤ''۔ صحبتِ صادقین کو فرض فرمایا۔ صادقین سے مراد یہاں پیرانِ کامل اور رہبران حقیقی ہیں۔ پیرانِ ناقص مراد نہیں ہیں۔ بلکہ خود اُن کو پیرانِ کامل کی صحبت اختیار کر کے پہلے کامل بننا چاہئیے۔

ف: صاف ارشاد ہے کہ اپنے ظاہر کو شریعت سے اور اپنے باطن کو طریقت سے آراستہ رکھو۔ کیونکہ شریعت صفات ہے۔ اور طریقت ذات۔ شریعت جسم ہے اور طریقت جان شریعت ظاہر ہے اور طریقت باطن۔

اس بات پر یقین کامل کر لینا چاہئیے کہ شریعت، طریقت کی بنیاد ہے اور راہ نمائے حقیقت ہے اور پردہ کُشائے معرفت ہے۔ شریعت کی اِتباع کے بغیر تصوف و معرفت کے کمال کا حاصل کرنا ناممکن ہے بلکہ زندقہ و اِلحاد ہے۔

فضیلتِ علمِ معرفت

حضور مُعلم کائنات حضرت رسول اللہ صلعم نے علمِ وعلماء کی بے حد فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اس سلسلہ میں بہت احادیث ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ فَضِیْلَتُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِیْ عَلٰی اَدْنٰکُمْ یعنی عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے تم میں سے اَدنیٰ آدمی پر میری فضیلت ہے۔''

عُلماءِ محققین کا کہنا ہے کہ اِس حدیث شریف میں جو عالم بیان فرمایا گیا ہے اُس سے علمِ معرفت کا عالم مُراد ہے۔ محض علمِ ظاہر کا عالم مراد نہیں ہے۔ چنانچہ وہ ایک اُصول مقرر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جملہ عُلوم میں سے جس علم کا معلوم، باقی عُلوم کی معلومات پر فضیلت رکھتا ہو اور اوسی قدر وہ علم باقی دوسرے عُلوم اور اُن کے عُلماء سے افضل ہوگا۔ اِس اصول کے تحت معلوم ہو جائیگا کہ حضرت رسول اللہ صلعم نے کس علم و عالم کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ سب سے افضل و برتر ذاتِ رَبُّ العزت ہے۔ تو جس علم سے اوس ذات کا عرفان حاصل ہو وہ علم اور اُس کا عالم باقی سب عُلوم اور اُن کے علماء سے افضل ہوگا۔ وہ علمِ معرفتِ ذات رَبُّ العزت کا علم ہے۔ جس کو تصوف اور فقر کہتے ہیں اور اوس کے عالم کو عارِف اور صُوفی کہتے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ حضرت رسول اللہ صلعم نے علمِ معرفت اور عارِف باللہ کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

ایک اور بات کہ تمام عُلوم ظاہری ہیں۔ جن میں علمِ دین بھی شامل ہے اور صرف معرفت ہی علمِ باطن ہے۔ اور باطن کو ظاہر پر تقدُّم ذاتی ہے۔ ذاتِ رَبُّ العزت بُطون سے ظہور میں جلوہ گر ہوئی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ علمِ معرفت فضیلت میں سب عُلوم سے مُقدم ہے۔ چنانچہ حضرت امام محمدؒ غزالی رحمت اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ ''جُملہ عُلوم علمِ معرفت ذاتِ الٰہی کے خادم ہیں اور علمِ معرفتِ ذاتِ الٰہی

سب سے افضل ہے۔''

اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حدیث شریف میں جو فضیلت عالِم کی عابد پر بیان فرمائی گئی ہے اُس سے عالِمِ علمِ معرفت ذاتِ ہی مُراد ہے اور عارفِ ذاتِ رَبُّ العزت جُملہ عُلماءِ ظاہر پر فَضیلت رکھتا ہے۔

چنانچہ حضرت امام نا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام نے ایک موقع پر یہ رباعی پڑھی!

عِلمے بطلب کہ با تو ماند آں دم کہ تُرازِ تور رہا ند
آں عِلمِ فریضہ راز خوانی تحقیق صفاتِ حق نہ دانی

ترجمہ: ایسا علم حاصل کرو جو تمہارے ساتھ رہے اور وقت پر تم کو ہستی کی قید سے چھٹکارا دِلائے۔ جب تک عِلمِ فریضہ (یعنی عِلمِ توحید و معرفت جس کا حاصل کرنا فرض ہے) حاصل نہ کرو گے صفاتِ حق کی تحقیق نہ جان سکو گے۔''

الحاصل اِس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ عِلمِ معرفت کا حاصل کرنا فرض عین ہے۔

ف: عرشِ الٰہی پر پہونچنے کے چار زینے (سیڑھیاں) ہیں۔ پہلا زینہ شریعت۔ دوسرا زینہ طریقت۔ تیسرا زینہ حقیقت۔ چوتھا زینہ معرفت ہے۔

پہلے زینے شریعت سے غافل ہوا اور لغزش کھا کر گرا تو جہنم میں پہونچے گا۔ اس کے محافظ اور راہ نما عُلماءِ دین متین ہیں جو باعمل و با اخلاص ہوں۔ باقی تینوں زینوں کا محافظ پیر کامل ہے۔ جو مرید صادق کو اِس خوفناک پُل پر سے کامل حفاظت کے ساتھ عرشِ عرفان پر پہونچا دیتا ہے۔

اِنہیں صُوفیوں اور رہبرانِ حقیقی کی شان میں **عُلَمَآءِ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ اِسْرَائِیْلَ** O یعنی میری اُمت کے عُلماء نبی اسرائیل کے نبیوں کے مانند ہیں''۔ فرمایا گیا ہے۔ **سُبْحَانَ اللّٰہُ بِحَمْدِہٖ**

عِلمِ قَلبُ اکثر آیات قرآنی و احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عِلمِ حِکمت سے کوئی عِلم بہتر اور افضل نہیں ہے۔

چنانچہ ارشاد رَبُّ العزت ہے کہ **یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّؤْت**

اَلْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (پارہ۳ رکوع ۵) یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جس کو حکمت ملی بہت بڑی خوبی نصیب ہوئی''۔

یہاں حکمت سے مرادِ علمِ قَلَبْ ہے۔یعنی معرفتِ اِلٰہی جس کو فقر بھی کہتے ہیں۔

حِکمت کے لغوی معنٰی راز اور بھید کے ہیں۔ چونکہ اس علمِ سے انسانی راز اور سُبحانی بھید کھلتے ہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس علم کو حکمت کے لفظ سے ارشاد فرمایا ہے تفسیر حسینی، جواہر التفسیر اور خصوص والحکم میں حکمت کو شرک کی نفی اور توحید کا عرفان ومعرفت الٰہی لکھا ہے۔

تفسیر بحر الحقائق میں حکمت کو نورِ معرفتِ ذات لکھا ہے۔جس کا مزید ثبوت قرآن حکیم اِس آیت سے بھی ملتا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ (پارہ ۲۱ رکوع ۱۰) یعنی اور البتہ ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی۔'' یعنی شرک کے نفی اور توحید کا عرفان اور معرفتِ الٰہی عطا کی۔

امام بخاری اور مُسلم نے حضرتِ سُہیل بن سعدؓ سے روایت کی ہے کہ ''فرمایا حضرت رسول اللہ صلعم نے اگر آدمی حکمت کا ایک کلمہ سیکھے تو اُس کے حق میں دُنیا و مافیہا سے بہتر ہے''۔حکمت سے مُرادِ علمِ توحید اور معرفتِ الٰہی ہے۔

اسی کو عِلمِ قَلَبْ کہتے ہیں۔ چنانچہ حضور مکرم حضرت رسول اللہ صلعم ارشاد فرماتے ہیں کہ اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ عِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ فَذٰلِكَ حُجَّةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى اِبْنِ اٰدَمَ وَعِلْمٌ فِي الْقَلْبِ فَذٰلِكَ الْعِلْمُ نَافِعٌ ۝ (اس حدیثِ شریف کو ترمذی نے مرسل اور خطیب نے حضرت جابرؓ سے بہ سند صحیح روایت کیا ہے)

اس حدیثِ شریف کا ترجمہ یہ ہے کہ ''علم دو ہیں۔ایک علم زبان پر ہے۔ یہ اولادِ آدمؑ پر اللہ تعالیٰ کی حُجّت ہے۔اور ایک علمِ دل کے اندر ہے۔پس یہی علم نفع دینے والا ہے''۔

اِس ارشاد سے ثابت ہوا کہ ایک علمِ عام زبانی یعنی شریعت ہے۔جس کو حُجّت فرمایا۔اور ایک علم جو دل کے اندر ہے۔خاص باطن ہے۔یعنی طریقت ہے۔جس کو علمِ قلب اور نفع دینے والا فرمایا گیا۔

مرتبہ یقین: طریقت میں ایک مرتبہ یقین ہے۔جس کو معرفت الٰہی بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ حضور مکرم حضرت رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے کہ اَلْیَقِیْنُ الْاِیْمَانُ کُلُّہٗ O (زداۃ ابونعیم) یعنی ''یقین ایمانِ کامل ہے''

اِسی لئے حضور حضرت رسول اللہ صلعم نے یقین حاصل کرنے کا حکم دیا۔

چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تَعْلَمُوْنَ الْیَقِیْنَ O ''یعنی تم یقین کو سیکھو''۔یعنی توحید اور معرفتِ الٰہی کے بغیر یقین حاصل نہیں ہوسکتا۔

ف: حضرت امام محمدؒ غزالیؒ کتاب اِحیاَ میں یحییٰ بن معاذ کے حوالے سے لکھتے ہیں ''یقین سے مراد نورِ توحید ہے''۔

جس طرح مشرکین کی نیکیاں شرک کی آگ سے جل جاتی ہیں۔اوسی طرح موحدین (توحید والوں) کے گناہ نورِ توحید میں فنا ہوجاتے ہیں''۔

الحاصل علمِ معرفت تمام علُوم پر بدرجہا فضیلت رکھتا ہے اور علمِ معرفت کے تمام علوم خادم ہیں۔

شرحِ صدر: حضور مُعلمِ کائینات حضرت رسول اللہ صلعم نے قرآن حکیم کی آیۃ فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ O یعنی اللہ جس کو ہدایت فرمائے اِطاعت کے لئے اُس کا سینہ کھول دے''۔تلاوت فرمائی۔تو صحابہؓ میں سے کسی نے عرض کیا کہ اِس ''شرح صدر'' سے کیا مراد ہے؟

تو آپ صلعم نے فرمایا کہ ''جس وقت نُورِ دل میں ڈالا جاتا ہے تو اُس کے لئے سینہ کُھل جاتا ہے۔''

تو پھر عرض کیا گیا کہ ''اوس کی کوئی علامت بھی ہے؟ فرمایا ''ہاں دنیا سے علٰحدہ رہنا یعنی ترکِ دنیا۔اور وارِ پائدار کی طرف رجوع کرنا۔یعنی قُربِ الٰہی کے لئے ذِکراللہ میں مشغول رہنا۔اور موت آنے سے پہلے اوس کی تیاری کرلینا۔یعنی مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا O یعنی موتِ طبعی سے پہلے ارادی موت مرجانا۔(یہ موت مُرشدِ کامل کی مدد سے ملتی ہے)

ف اِس آیۃً کریمہ میں اِسلام سے مرادنورِتوحید ومعرفتِ الٰہی ہے۔ نہ کہ ظاہری آراستہ صورت اور باطن میں اندھیرا۔ کیونکہ جب تک نورِتوحید ومعرفتِ الٰہی دل میں جلوہ گرنہ ہو۔ یقین وایمان کامل کا حاصل ہونا ناممکن ہے۔ اور جب یقین وایمان نہیں تو پوری اطاعت وفرماں برداری کھاں؟

ف: جن کے سینے نور سے بھرے ہوئے ہیں۔ وہ خدا کی باتوں کوخوب سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم کے پارہ (۲۱) رکوع (۳) سورۂ عنکبوت میں ارشادفرماتا ہے کہ ''ہم نے یہ واقعات لوگوں کے واسطے بیان کئے ہیں۔ اِن کووہی سمجھتے ہیں جوعالم ہیں۔''

یہاں عالموں سے مراد عالم علمِ معرفت ہیں نہ وہ عالم جو دنیا حاصل کرنے علم پڑھتے ہیں اور دنیا ہی پر فخر کرتے اور دربدر مارے مارے پھرتے ہیں۔ ایسے عالموں کی نسبت اللہ تعالیٰ قرآن حکیم کے پارہ (۲۸) رکوع (۱) سورۂ جمعہ میں صاف ارشادفرماتا ہے کہ ''مثال اُن لوگوں کی جن پر توریت لاد دی۔ پھر اُنہوں نے نے اُٹھائی۔ جیسے مثال گدھے کی پیٹھ پر کتابیں اُٹھائے لے چلتا ہے''۔

اور جن کو اللہ تعالیٰ نے علمِ معرفت عطا فرمایا ہے وہ لوگ خدا اور رسول صلعم کے حبیب اور عزیز ہیں۔ چنانچہ حضرت رسول اللہ صلعم ارشادفرماتے ہیں کہ ''بعض علمِ قیمتی موتیوں کے مانند ہیں۔ اُن کو عارفانِ الٰہی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جب وہ عارف اس علم کو بیان کرتے ہیں تو سوائے اُن لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ کی نسبت دھوکے میں ہیں اور کوئی اس علم سے جاہل نہیں رہتا۔

پس جس عالم یعنی عارف کو خدائے تعالیٰ نے اس علم میں سے حصہ دیا ہواُس کو حقیر مت جانو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو حقیر نہیں کیا جبکہ اُس کو علمِ معرفت عطا فرمایا ہے''۔

اہل یقین: اہل یقین صُوفیوں کی نبت حضورِ مکرم حضرت رسول اللہ صلعم ارشادفرماتے ہیں کہ ''جو چیز تم لوگوں کوکم دی گئی وہ یقین اور صبر ہے۔ اور جن کو اِن دونوں میں سے حصہ ملا ہے اُن کو پرواہ نہیں اگر شب بیداری یا دن کے روزے اُن سے قضا ہوں''۔ اور حضرت اَبِی موسیٰ رضی اللہ عنہ صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ ''فرماتے تھے کہ میری اُمت میں ایسے لوگ ہونگے جن کے سروں کے بال پراگندہ اور کپڑے میلے

ہونگے اگر کسی بات پر خدا کی قسم کھائینگے تو خدائے تعالیٰ اُن کو سچا کر دیگا۔'' یعنی اُن کی بات پوری کر کے دِکھادے گا۔ کیونکہ یہ اہل یقین سے ہیں''۔

ف: حاملانِ توحید یعنی اہل یقین (صوفیوں) کے دل ہدایت کے راستہ کے چراغ ہیں۔ جو اُن کا دشمن ہے وہ خدا اور رسولؐ کا دشمن ہے۔

چنانچہ حضرت امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ' روایت فرماتے ہیں کہ'' فرمایا رسول اللہ صلعم نے جو شخص کسی خدا کے دوست کے ساتھ دشمنی رکھے۔ بے شک اُس نے اللہ کے ساتھ لڑائی کی۔ تحقیق کہ اللہ اہل یقین کو دوست رکھتا ہے۔ اور پوشیدہ حال کو خوب جانتا ہے جو غائب ہوں تو پوچھے نہ جائیں اور حاضر ہوں تو بُلائے نہ جائیں اور پاس بٹھائے نہ جائیں۔ حالانکہ اُن کے دِل ہدایت کے چراغ ہیں''۔

اس ارشاد کی روشنی میں خود غور کر لیجئے کہ اللہ کے دوستوں (اہل یقین) کا دشمن خدا اور رسول صلعم کا دشمن ہے یا نہیں۔

پس اِن آیات و احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ اِس فضیلت کے مصداق صوفیاء ہیں۔ یعنی پیرانِ کامل ہیں۔ جن کے دِلوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نورِ توحید و اسرارِ معرفت سے بھر دیا ہے۔

پاکی و کتاب وحکمت کی تعلیم: اللہ جل شانہٗ حضور معلم کائینات حضرت رسول اللہ صلعم کی نسبت قرآن حکیم میں اس طرح ارشاد فرماتا ہے کہ **یُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ** O یعنی اُن کو پاک کرتے ہیں اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں''۔ **یُزَکِّیْھِمْ** یعنی اُن کو پاک کرتے ہیں کا یہی مطلب ہے کہ اُن کو شرک جلی وخفی سے پاک کرتے ہیں۔ اور حصولِ توحید رَبُّ العزت کے قابل بناتے ہیں اور علمِ معرفت کے حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا فرماتے ہیں۔

کتاب سے مراد قرآن حکیم ہے۔ یعنی قرآن حکیم کی تعلیم دیتے ہیں حکمت سے مراد معرفتِ الٰہی ہے۔ یعنی علمِ توحید و معرفت الٰہی کی تعلیم فرماتے ہیں۔ اِس آیت کریمہ میں تین باتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

ایک پاکی' دوسری کتاب کی تعلیم' تیسری حکمت کی تعلیم' ارشاد و بیان کی ترتیب کے لحاظ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حُصول معرفتِ الٰہی کے لئے پہلے ظاہر و باطن کو شرک جلی وخفی سے پاک ہونا ضروری ہے جب

ظاہری اور باطنی طہارت و پاکی نصیب ہوئی تو قرآن کی تعلیم یعنی فیضانِ الٰہی حاصل ہوگا جس میں ظاہری و باطنی دونوں احکام موجود ہیں۔ اور قرآن حکیم کی تعلیمات ہی سے علمِ توحید و معرفتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا اِس آیۃً کریمہ سے علمِ توحید و معرفتِ الٰہی کا مقام معلوم ہوا کہ کس قدر اہم اور عظیم ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ علم معرفت الٰہی کا حاصل کرنا فرض عین ہے۔ اس کے بغیر ایک مسلمان مومن نہیں ہوسکتا اور ایمان مکمل حاصل نہیں ہوسکتا۔

اَسرارِ معرفت

علمِ معرفت کے عِلاوہ اَسرارِ معرفت بھی ہیں۔ اَسرار کے معنی بھید اور راز کے ہیں۔ یہ اَسرارِ علمِ معرفت کا منتہیٰ اور نتیجہ ہیں۔ حضور مُعلمِ کائنات حضرت رسول اللہ صلعم نے اسرارِ معرفت یعنی فقر کو جس سے اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَالْفَقْرُ مِنِّیْ مراد ہے عام طور پر تعلیم نہیں فرمائی۔ کیونکہ یہ نہایت باریک اور نازک اسرار ہیں۔ ہر ایک کی عقل و فہم اور اِدراک اُس مقام تک نہیں پہونچ سکتے۔ یہی وجہ تھی کہ خاص خاص صحابہ کرام۔ مثل حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ، حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہ حضرت ابوہُریرہؓ حضرت سلمان فارسیؓ حضرت زیدؓ وغیرہ ہُم رضی اللہ عنہم کو علی قدر مراتبِ فہم و اِدراک تعلیم فرمائی۔

چنانچہ امام بخاری و مسلم نے اس حدیث شریف کو بہ سند بیان کیا ہے کہ مَاصُبَّبُ اللّٰہِ فِیْ صَدْرِیْ اِلَّا وَقَدْ صَبَّبْتُ فِیْ صَدْرِ اَبُوْبَکْرٍ O یعنی حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ ''نہیں ڈالا اللہ نے میرے دل میں کوئی علم مگر ڈالا میں نے ابوبکرؓ کے سینے میں''۔

دوسری حدیث بیہقی اور ابنِ عدی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مَا فَضَّلَکُمْ اَبُوْبَکْرٍ بِکَثْرَتِ صِیَامٍ وَلَا صَلٰوۃٍ وَّلٰکِنْ بِسِرٍّ وَقَرَنِیْ صَدْرِہٖ O یعنی حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ ابوبکرؓ تم پر روزوں اور نمازوں کی کثرت کی وجہ سے افضل نہیں ہوا بلکہ ایک بھید یا ایک راز جو اُس کے سینہ میں ڈالا گیا ہے اُس کی وجہ سے افضل ہوا ہے۔''

وہ راز علمِ فقر ہے جس پر خود آنحضرت صلعم کو فخر ہے۔

اس حدیثِ شریف سے صاف ثابت ہورہا ہے کہ روزے اور نمازوں کی کثرت کی وجہ فضیلت حاصل نہیں ہوتی بلکہ اَسرارِ معرفت کے حاصل کرنے سے روزداروں اور نمازیوں پر بھی فضیلت و بزرگی حاصل ہوتی ہے۔ لہذا جو اَسرارِ معرفت کا حامل ہے وہی بزرگ واعلیٰ ہے۔

ف: اس کے علاوہ امام بخاری نے ایک اور حدیث بیان کی ہے کہ وَقَالَ اَبُوهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، حَفِظْتُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلْعَمْ وَعَائَيْنِ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ، وَاَمَّا الْاٰخِرُ لَوْبَثَثْتُهُ، هٰذَ الْبَلْعُوْمُ ۝ یعنی ابوھریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے علم کے دوظرف (یعنی ظاہر و باطن کے دو برتن) حاصل کئے ہیں۔

ایک کو تو میں نے بیان کر دیا ہے۔ اور اگر دوسرے کو بیان کروں تو میرے گلے کی شہ رگ کٹ جائیگی۔

غور کا مقام ہے کہ حضرت ابوہُریرہؓ نے کونسا علم بیان کیا؟ اور کس علم کے بیان کرنے سے گلا کٹتا تھا؟ سوائے اس کے کوئی جواب نہیں ہوسکتا کہ علم ظاہر یعنی شریعت کو علانیہ بیان کر دیا۔ اور علمِ باطن یعنی اسرارِ معرفت جس کو فقر کہتے ہیں۔ علانیہ بیان نہ کر سکے ورنہ نادان لوگ اپنی بے علمی کی وجہ قتل کر ڈالتے۔

ف: اِس کے علاوہ حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہٗ بھی ایک ایسی ہی حدیث کے راوی ہیں۔ عَنْ حُذَيْفَه قَالَ لَوْ حَدَّثْتُكُمْ مَا اَعْلَمُ لَاَفْتَرَقْتُم عَلٰى ثَلَاثِ فِرَقٍ فِرْقَةٌ تُقَاتِلُنِيْ وَفِرْقَةٌ لَا تَنْصُرُنِيْ وَفِرْقَةٌ تُكَذِّبُنِيْ ۝ یعنی حضرت حُذیفہؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں تم سے وہ حدیثیں بیان کروں جو میں جانتا ہوں تو البتہ تم تین گروہ میں متفرق ہوجاؤ گے۔ ایک گروہ تو میرے قتل کرنے پر تیار ہوجائیگا۔ اور ایک گروہ میری امداد سے ہاتھ اُٹھالیگا اور ایک گروہ مجھکو جھٹلائیگا۔ (شرح کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۵۵)

حضرت حُذیفہؓ اصحابِ صُفہؓ میں سے جلیل القدر صحابی ہیں۔ حضرت رسول اللہ صلعم اکثر اوقات تنہائی میں حضرت حُذیفہؓ کو اسرارِ الٰہی و رموزِ معرفت کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ اِسی بنا پر آپ کا خطاب صاحب السِّرِّ رسول اللہ صلعم ہے۔

غور فرمایئے کہ وہ کون سے راز اور کون سے بھید تھے۔ جن کو حضرت رسول اللہ صلعم نے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت حذیفہؓ کو تعلیم فرمائے ہونگے ؟ یہ وہی راز اور وہی بھید ہیں جن کو اسرارِ معرفت کہا جاتا ہے۔

بالکل اسی طرح حضرت بندگی میاں شاہِ خوندمیر صدیق ولایت رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ ''اگر وہ باتیں جو میں نے حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام سے سنی اور حاصل کی ہیں۔ بیان کروں تو میرا وہی حال ہوگا جو کسی کا برہمن واڑی میں گائے کا گوشت لے جانے سے ہوتا ہے''۔ اللہ اللہ

غور فرمایئے کہ وہ کونسی باتیں ہونگی جن کے بیان کرنے سے نادان اور بے بہرہِ معرفت لوگ قتل کرنے کے لئے آمادہ ہوجائیں۔ یہ وہی اسرارِ ذات وراز ہائے معرفت کی باتیں ہیں۔

ف: یہ راز اور یہ اَسرار آج بھی علانیہ بیان نہیں کئے جاسکتے۔ بلکہ جن طالبانِ حق کو اِن کی سچی طلب ہے اُن کا فرض ہے کہ حقیقی اور سچے پیرانِ طریقت کے دامن سے وابستہ ہوکر حاصل کریں۔ رسمی اور خودساختہ پیروں سے یہ راز اور اسرار نہیں مل سکتے۔ بلکہ اُن حقیقی پیروں سے مل سکتے ہیں۔ جنہوں نے اپنے سے اعلیٰ صاحبِ زمانہ پیروں کی غلامی اور صحبت میں اپنے آپ کو مٹا کر اور فنا کر کے حاصل کیا ہو۔

ظاہر ہے کہ جو خود مِٹا ہے وہ دوسروں کو مِٹنا بتا سکتا ہے اور مِٹنے کے راز سکھا سکتا ہے۔ جو خود جَلا ہے وہ دوسروں کے خرمنِ ہستی کو جلا سکتا ہے۔ جو خود روشن ہے وہ دوسروں کو روشن ومنور کرسکتا ہے۔ جو خود اندھیرے میں ہے۔ وہ دوسروں کو کیا روشنی دکھا سکیگا۔ غور کی ضرورت ہے۔ علامہ اقبال نے اسی موقع کیلئے کیا خوب کہا ہے۔ غور کی بات ہے

ہے وہی تیری زمانے کا امام برحق — جو تجھے حاضر وموجود سے بے زار کرے
موت کے آئینہ میں تجھ کو دکھا کر رُخِ دوست — زندگی تیری لئے اور بھی دشوار کرے
دی کے اِحساسِ زیاں تیرا لہو گر مادے — فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

کشف: عُلومِ معرفت میں ایک شعبہ کشف ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کشفِ کُونی اور دوسرا کشفِ ذاتی۔

''کشف کُونی وہ ہے کہ سالک کے احوالِ عالم سے روز اطلاع ہوجائے''۔ چنانچہ جب حضرت زید رضی اللہ عنہٗ کو کشفِ کونی منکشف ہوا۔یعنی حاصل ہوا تو ایک روز جوش میں آکر کہنے لگے کہ''یارسول اللہ صلعم اگر حکم تو ہو جنتیوں اور دوزخیوں کو جُدا جُدا اور حشر ونشر کا حال تفصیل کے ساتھ بیاں کردوں''۔تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ''بس تیرا گھوڑا بہت گرم ہوگیا ہے اُس کو ٹھنڈا کر''۔

کشفِ ذاتی وہ ہے کہ عارف کو ذاتِ حق وحقیقتِ اَشیاءِ عالم کا انکشاف ہو۔ چنانچہ حضرت رسول اللہ صلعم نے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہٗ کو ایک راز کی بات بتائی اور فرمایا کہ''اس کو کسی کے سامنے بیان نہ کرنا''۔

آپ نے بہت ضبط کیا مگر ضبط نہ ہوسکا تو آخر مدینہ منورہ سے باہر جنگل میں ایک کنویں کے کنارے بیٹھ کر اُس راز کو بیان کیا۔اُس کا اثر یہ ہوا کہ اُس کنویں کا پانی خون ہوگیا۔آج تک بھی مدینہ منورہ میں وہ کنواں آپ کے نام سے مشہور ہے۔

آخر وہ کون سا راز تھا کہ جس کی وجہ حضرت زیدؓ اور حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہٗ کو جوش آیا تھا۔اور حضرت اُویس قرنیؓ کو حضرت رسول اللہ صلعم نے اپنا حُبّہ کیوں عنایت فرمایا تھا؟ اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ حضرت اُویس قرنیؓ کے سامنے اپنی خلافت کو ایک دینا کے بدلے کیوں فروخت کرنے والے تھے؟

ان نا قابل انکار حقایق کی روشنی میں یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسرارِ معرفتِ الٰہی کے اثرات ونتائج تھے۔

ف: حضرت امام محمد غزالیؒ اپنی کتاب اِحیَا میں لکھتے ہیں کہ رُبُوبیت کا ایک راز ہے اگر وہ ظاہر ہوجائے تو نبوت بیکار ہوجائے۔اور نبوت کا ایک بھید ہے اگر وہ ظاہر ہوجائے تو علمِ نِکَما ہوجائے۔اور عارِفوں کا ایک راز ہے اگر وہ اُس کو ظاہر کردیں تو گ احکامِ شرع بیکار ہوجائیں''۔

اِسی وجہ سے حضرت امامنا سیدنا مھدی موعود علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ''دانستن ایمان گفتن کُفر'' یعنی جاننا ایمان ہے اور کہنا کُفر ہے۔''

یہاں گُفتن سے مراد علانیہ کہنا یہ کفر ہے۔اِس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مقام دانستن کو طالبانِ حق سے

پوشیدہ رکھا جائے۔ طالبانِ حق سے تو بہ طریقۂ خاص کہنا ہی پڑیگا ورنہ تعلیم وتلقین کا سلسلہ بند ہو جائیگا۔ اس سلسلہ کو تو قیامت تک باقی رہنا ہے۔

ف: حضرت سُہیل رحمت اللہ علیہ کا قول ہے کہ عارف کو تین علم عنایت ہوتے ہیں۔ ایک علم ظاہر یعنی شریعت جس کو عام طور پر تعلیم فرماتا ہے۔ دوسرا علم باطن یعنی طریقت ہے۔ جس کو صرف طالب کے سوا تعلیم نہیں کر سکتا۔ تیسرا علم معرفت یعنی فقر وفنا ہے کہ تصوف میں اس سے افضل واعلیٰ مرتبہ نہیں۔ یہ رازِ الٰہی ہے۔ اِس کو خاص الخاص طریقہ کے سوا تلقین وتعلیم نہیں کر سکتا۔ جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ صلواۃ اللہ علیہ کو بہ حُکمِ خداوندی رازِ مخفی سے مطلع فرمایا۔

ف حضرت اِمامنا سیدنا مھدی موعود علیہ السلام چونکہ رُوبیتِ باری تعالیٰ کے لئے مبعوث ہوئے تھے اس لئے آپ کے فیضان نے ہر طالب کو خواہ وہ کیسا ہی ہو ذکر خفی کی تلقین کے ساتھ فیضاب کیا چونکہ آپ کا منصب گرامی یہی تھا۔ جو سلسلے آنحضرت صلعم کے پاس سند کے ساتھ پہونچتے ہیں اُن وسیلوں سے جو باضابطہ وابستہ ہیں اُن سے آج بھی یہ اَسرارِ معرفت حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ تحریر میں نہیں آسکتے اِسی لئے یہ اسرارِ معرفت کی تعلیم سینہ بہ سینہ ہوتی ہے آج تک بھی اس تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

حقیقتِ انسان

اللہ تعالیٰ بہ زبانِ حضرت رسول اللہ صلعم ارشاد فرماتا ہے کہ **کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیّاً، فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرِفْ، فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ** O یعنی میں ایک مخفی (چھپا ہوا) خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں۔ پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا"۔

كُنْتُ كَنْزاً سے مرتبہ اَحَدْ مُراد ہے۔جس کو محققین مرتبہ لاتعین کہتے ہیں۔وہ مرتبہ ذات ہے۔اسماء وصفات کے ظہور سے مُنزہ و پاک ہے۔

كُنْتُ كَنْزاً سے فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرِفْ کی منزل آئی یعنی مقامِ مخفی سے جب ذات کو اپنے ظہور کی جانب حرکت ہوئی اور خود کو پہچانے جانے کی خواہش ہوئی وہی جُبُ اور خواہش حقیقت ولایت ہے۔

اور جب فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ کی منزل آئی خود کو دیکھا تو انسان کی صورت نظر آئی۔اُس صورت کو اپنے تمام اسماء وصفات اور کمالات بخشا۔

یہی صورت تمام اشیاء و کائناتِ عالَم کے ظہور کا منبع ہوئی۔جیسے تخم (بیج) میں تمام درخت بالقوہ موجود ہوتا ہے اوسی طرح یہ تعین اول تمام اسماء وصفات کا جامع ہے۔اسی لئے انسان کی تخلیق سے متعلق اللہ تعالیٰ بہ زبان حضرت رسول اللہ صلعم ارشاد فرماتا ہے کہ اَنَّ اللّٰہ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ O یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا''۔

صورت سے مراد اَسماء وصفات الٰہیہ ہیں۔یعنی اللہ جل شانہٗ نے اِنسان کو اپنے جمیع صفات سے ظاہر فرمایا ہے بلکہ اپنی ہُویت سے موصوف جو مخفی ہے۔اور اپنی ذات کو حقیقتِ انسان میں چھپایا ہے۔

پس اِنسان کا ظہور اُس کی ہُویت میں ہے اور حقیقتِ اِنسان حقیقت الٰہیہ سے ہے۔اور یہ اسمِ اعظم الٰہی ہے کہ وہ حقایق اسماء الٰہی کا جامع ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَّرَكُمْ (پارہ۲۴رکوع۱۵) یعنی تمہاری صورت بنائی پھر اچھی سے اچھی بنائی تمہاری صورت۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہِ ازل میں اندازہ کر کے اول اِنسان کی صورت کا نقشہ کھینچا۔پھر نقشہ میں اچھی سے اچھی خوبی عطا کی۔پھر نقشۂ ازلی کے موافق انسان کی صورت بنائی۔ الغرض جب انسان کی صورت و سیرت اور ظاہری و باطنی صفات کا نقشہ مشیتِ الٰہی میں منظور ہوگیا تو اوسی موافق ظہور میں لایا گیا۔چونکہ یہ کام بہت اہم تھا۔اللہ تعالیٰ نے بڑی ذی شان چار قسموں کے بعد (یعنی قسم ہے مجھ کو اُس انجیر کے درخت کی جس نے

آدمؑ کو برہنگی کی حالت میں اپنے پتوں کا لباس عنایت کیا۔ اور قسم ہے مجھ کو اُس زیتون کے درخت کی جس نے مُوسیٰ کو اندھیری رات میں اپنی روشنی سے راہ نمائی کی۔ اور قسم ہے مجھ کو طورِ سینا کی جس نے اپنے نور سے موسیٰؑ کے دعوے کو توڑا اور بے ہوش کر کے گرا دیا۔ اور قسم ہے مجھ کو اُس شہر امن والے کی جہاں تم امن میں رہتے ہو یعنی مکہ معظّمہ)

فرماتا ہے کہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ O (پارہ ۳۰ رکوع ۲۰ سورۃ تین) یعنی ''ہم نے انسان کو اچھے سے اچھے اندازے پر بنایا''۔ یعنی اول اس کا اندازہ کیا کہ انسان کو خاکی پردے میں اپنی ہی صورت پر بنا کر ظہور میں لاؤں چنانچہ حدیثِ قدسی جو اُوپر بیان کی گئی ہے اس کی دلیل ہے۔

ف: اب اس خاکی پتلے کی صورت کا نقشہ بہ غور ملاحظہ کیجئے کہ اس صانع مطلق نے اس نیرنگِ قدرت میں کس خوبصورتی سے اپنے نام اور اپنی جان کو نامعلوم طریقہ پر ظاہر فرما کر مظہر اتم بنایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے کہ سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اَوَلَمْ یَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ اَلَا اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ اَلَا اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ج (پارہ ۵ رکوع ۶ حم سجدہ) یعنی اُن کو اپنی نشانیاں اطرافِ عالم میں اور اُن کے نفوس (جانوں) میں جلد دکھا دینگے۔ یہاں تک کہ (وہ پکار اٹھینگے) بے شک آیا رب یہ حق ہے۔ کافی نہیں ہے یہ کہ وہ ہر چیز پر حاضر و شاہد ہے۔ خبردار ہو کہ بے شک وہ ہر چیز پر مُحیط (گھیرا ہوا) ہے''۔

ف: اس بات کو بخوبی جان لینا چاہئیے کہ واحدیت یعنی حقیقتِ انسانی، حقیقتِ محمدی صلعم کا پَرتَو ہے۔ عالمِ آفاق و مُفصل ہے۔ اور حقیقتِ محمدی صلعم ذاتِ اَحَدْ کا پَرتَو ہے۔ یہ عالم امر و اِجمال ہے۔

اس لحاظ سے آیۂ کریمہ کا یہ مطلب ہوا کہ ''ہم اپنی اُلُوہیت اور واحدانیت کی نشانیاں اور علامات تمہارے اجسام میں کہ عالم کبیر مفصل ہے اور تمہاری جانوں میں جو عالم صغیر مجمل ہے آشکارا دِکھا دینگے کہ یہ حق ہے۔

اللہ تعالیٰ کے دیدار سے انکار مت کر وہ سب پر محیط ہے۔ اور نفسِ انسانیہ بھی دکھا دینگے کہ وہ ہمارے عین ہے مراتب کے لحاظ سے نفس انسانیہ میں ظہور و تجلیات ہیں۔ اور تمام عالم ہمارا مظہر ہے تاکہ آفاق و اَنفُس میں دیکھنے والا ہماری آیات (نشانیوں) کے ذریعہ اس بات کا مشاہدہ کرے کہ عالمِ کبیر مفصل اور عالمِ صغیر مجمل میں حق ہی ظاہر ہوا ہے۔ اوران دونوں میں اپنی ہی رحمت سے تجلّی فرما کر اپنے وجود کے ساتھ اُن کو یعنی عالمِ روح و عالمِ جسم دونوں کو اِتحاد دیا اوراپنے نور سے ظہور میں لایا ہے۔

پس عالمِ کبیر بالتفصیل و عالمِ صغیر بالِاجمال اس بات کی دلیل ہے کہ آفاق واُنفُس میں حق ثابت ہے۔ لہٰذا اپنے نفس کا عارف اپنے رب کا عارف ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو مظہر وصورتِ حق دیکھتا ہے اور ذاتِ حق کو روحِ مُربیّ اوراپنا رب جانتا ہے۔

ظہورِ انسان اور فرشتوں کا سجدہ کرنا: جب اللہ تعالیٰ نے انسان کا اظہار کرنا چاہا تو فرشتوں کو حکم ہوا کہ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِیۡنٍ فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ وَنَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ ۝ (پارہ۲۳ کوع ۱۴) یعنی ''میں مٹی کا ایک انسان بناتا ہوں۔ جب ٹھیک بنا چکوں اُس میں اپنی روح پھونکوں تو تم اُس کے سامنے سجدہ میں گر پڑو''۔

اس آیۃً کریمہ کا یہی مطلب ہے کہ جب میری روح اُس میں پھونکی جائے تب تم اُس کو فوراً ہی سجدہ کرنا۔ دراصل وہ میں ہی ہونگا۔ سب فرشتے اس کے منتظر ہوئے کہ وہ بڑی شان والا نائب یعنی خلیفہ عالمِ امر سے کب عالمِ ظہور میں تشریف لاتا ہے۔

ف: آیۃً کریمہ کے اندازِ بیان اور حصوں پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ شرف عِلَّتِ فَاعلی کی طرف اشارہ ہے اور بَشَرًا عِلَّتِ صُوّری اور مِنۡ طِیۡنٍ عِلَّتِ مَادِّی اور فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ سے آخر آیۃً تک عِلَّتِ غَائی ہے۔ عِلَّتِ شرف کا جو اعلیٰ مقام ہے اُسکو دانا خوب جانتے ہیں۔

ف: انسان کے بنانے کے سلسلہ میں ارشاد رب العزت ہوتا ہے کہ وَبَدَأَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ

مِنْ طِيْنٍ ۝ اورشروع انسان کی تخلیق (یعنی بنانا پیدائش) مٹی کے گارے سے۔'' یعنی مٹی کی مورت بنائی اور جب نقشۂ ازلی کے موافق یہ طلسم خاکی تیار ہوگیا تو اِس مُنقش ومزین پتلے میں اپنی روح پھونکی۔اور تحت شاہی (قلب) پرخود ہی جلوہ گر ہوگئے اور شہ نشین کے جھروکوں میں سے فرشتوں کوحکم ہوا کہ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ ۝ یعنی پس اس کے سامنے سجدے میں گر پڑو''۔

ف: فَسَجَدَ الْمَلٰئِکَۃُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ۝ (پارہ۲۳رکوع۱۴) یعنی ''پھر سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا''۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیسِ لعین سے دریافت فرمایا کہ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ۝ (پارہ۲۳رکوع۱۴) یعنی ''اے ابلیس اُس چیز کوجس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔سجدہ کرنے سے تجھ کو کس نے منع کیا؟

جس کا جواب عاجزی کے بجائے غرور وتکبر سے دیا۔اور اپنی بزرگی خاک پر جتلائی اور انکار کر بیٹھا۔ اوراس راز کو نہ سمجھا کہ سجدہ تو مکین وجان کو ہے جو مِنْ رُوْحِیْ ہے۔جو اول وآخر اور ظاہر وباطن ہے۔ نہ کہ مکان کو جو حادث وفانی ہے۔

البتہ ذاتِ الٰہی اور جان الٰہی میں نام کا فرق ہے جیسے دریا اور قطرہ اس کے سوا کچھ بھی فرق نہیں ہے۔ اس راز کو دانا جانتے ہیں اور بینا دیکھتے ہیں۔

الحاصل جب اس خاکی پتلے کو نقشۂ ازلی کے مطابق بنا چکے تو اس میں اپنی روح پھونک کر اپنے سات اُمّھَاتُ الصِّفَاتْ یعنی حیات، علم، اِرادہ، قدرت، سماعت، بصارت اور کلام عطا فرمایا۔

یہی سات اُمھّاتُ الصِّفَاتْ دریائے اُلُوہیت کے سات دریا کہلاتے ہیں۔چنانچہ حضرت امامنا سیدنا مھدی موعود علیہ السلام نے حضرت بندگی میاں شاہِ خوندمیر صدیق ولایت رضی اللہ عنہ کی بشارات میں فرمایا کہ'' حضرت مھدی علیہ السلام درشانِ صدیق ولایتؓ فرمودہ اند کہ ہفت دریائے اُلُوہیت بنوشید اَمّا ہنوز لب بالایش ہم تر نہ شُد۔''

یعنی حضرت مھدی علیہ السلام نے حضرت صدیق ولایتؓ کی شان میں فرمایا کہ اُلوہیت کے سات دریا

پی لیا مگر ابھی اُس کے اوپر کا لب (ہونٹ) بھی تر (بھیگا) نہیں ہوا۔''

اس ارشادِ گرامی میں الوہیت کے جو سات دریا بیان فرمائے گئے ہیں اُس سے یہی سات اُمہاتِ الصِفات مراد ہیں۔

ف: اس کے علاوہ دیگر اسماء وصفات سے متصف فرمایا۔ اور خود ہی اسماء الٰہیہ اور کوینہ کے اسرارِ ذاتی وصفاتی اور اسماءِ خطاب وغیرہ کی تعلیم فرمائی۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا ۝ (پارہ ارکوع ۴) پھر فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دے کر اپنے ہی سامنے مسجودِ ملائکہ بنا دیا۔ اسی لئے ارشاد فرماتا ہے کہ اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہٗ ۝ یعنی انسان میرا بھید ہے اور میں انسان کا بھید ہوں۔

ابھی کھل جاؤں تو سب رازِ حقیقت کھل جائے
نامہ حُبِّ حقیقی کا لفافہ میں ہوں
کیا مَلک میری حقیقت کو سمجھتے عُلوی
اُن کا اُستاد نہ سمجھا وہ مُعما میں ہوں

الغرض اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر بنا کر، حقایقِ اسماء وصفات کا جامع فرما کر، اور خود ہی تعلیم دے کر وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ ۝ (پارہ ۲۳ رکوع ۱۱) کا خطاب عنایت فرمایا۔

پھر انسان کو ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ ۝ (پارہ ۳۰ رکوع ۲۰) یعنی ''پھر ہم نے اُس کو نیچے سے نیچے آخر تعین وتنزل میں جس کو عالمِ ناسوت یا عالمِ اجسام کہتے ہیں۔ پھینک دیا۔'' عالمِ اجسام میں بھی غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ انسان خلاصہِ کائناتِ عالم ہے۔

عالمِ ناسوت میں اِنسان کی آمد

اللہ تعالیٰ کو جب عالمِ ناسوت (دُنیا) میں حضرت آدم علیہ السلام کا روانہ فرمانا منظور ہوا تو پہلے عالمِ ارواح میں حضرت آدمؑ اور آپ کی ذُریات یعنی بنی آدمؑ سے قسم کے ساتھ اس بات کا عہد لیا کہ ''ہم تم کو ایک امانت کہ وہ ''عشق'' ہے یعنی تمہارے دلوں میں ہماری محبت کے سوا کسی اور کی گنجائش نہ ہو۔'' حوالے کرتے ہیں۔ اور

خا کی لباس میں زمین پر اتنا نائب وخلیفہ اس شرط سے مقرر کرتے ہیں کہ ہمارے حکم کی پوری تعمیل کرو۔اور رازِ مخفی جو تمہارے اور میرے درمیان اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہ کا ہے وہ کھلنے نہ پائے اور امانت کی شرط پوری کر کے پھر ہمارے پاس واپس لاؤ۔''

کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی ۝ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی شَھِدْنَا ۝ (پارہ۹رکوع۱۲)یعنی''اور جس وقت (یعنی عالمِ ارواح میں) تیرے رَبّ نے آدمؑ کی پشت سے اُن کی اولاد کو نکالا اور اُن سے اُن کی جانوں پر اقرار کرایا (یعنی قسم کے ساتھ اقرار لیا کہ) کیا میں تمہارا ربّ پالنے والا) نہیں ہوں؟ سب نے کہا کہ ہم اقبال واقرار کرتے ہیں اور شاہد ہیں۔''

پھر حکم ہوا کہ نَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ وَاِلَیْنَا الْمَصِیْرُ ۝ (پارہ۲رکوع۳)یعنی'' ہم جلاتے ہیں اور مارتے ہیں اور ہمارے پاس پہونچنا ہے''۔

مطلب یہ ہوا کہ ہم تم کو جلائینگے اور مارینگے پھر ہمارے پاس آنا ہوگا۔سب نے جواب دیا کہ اِنَّ لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝ (پارہ۲رکوع۳)یعنی''ہم اللہ ہی کے واسطے ہیں اور ہم اُسی کی طرف لوٹینگے''۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اپنے عہد کو پورا کریگا۔ہم اُس کو دوست رکھیں گے اور جس نے عہد کو توڑا وہ نافرمان ہوگا۔چنانچہ بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝ (پارہ۳رکوع۱۶)یعنی''جو اپنا اقرار پورا کرے اور متقی (اللہ سے ڈرنے والا) رہے تو بے شک اللہ اُن کو دوست رکھتا ہے''۔ فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذَالِکَ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ ۝ (پارہ۳رکوع۱۶)یعنی''پس جو کوئی پھر جائے اُس کے بعد تو وہی لوگ نافرمان ہیں''۔

مطلب یہ کہ جو اپنے عہد واقرار کو توڑیگا وہ نافرمان اور گناہ گار گنا جائیگا۔

ف: جب عہد واقرار ہو چکا تو تکمیل حجت کے لئے کہ آیندہ کوئی اپنے دل میں یہ خیال نہ کرے کہ کیا ہم اس

امانت کے اُٹھانے کے قابل نہ تھے؟لہذا سب پر اعلان فرمایا کہ تم میں سے ہماری امانت کو جو اُٹھا سکتا ہے اٹھائے اور جو اُٹھائیگا وہی ہمارا خلیفہ ہوگا۔ چنانچہ قرآن حکیم کے پارہ (۲۲) رکوع (۶) میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ'' البتہ ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر امانت کو پیش کیا۔ پھر سب نے اُس کو اُٹھانا قبول نہ کیا۔ اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اُٹھالیا۔ یہ بڑا ظالم اور بے خبر ہے''۔

ف: اس آیۂ کریمہ میں تین باتیں بیان فرمائی گئی ہیں ایک امانت۔ دوسرے انسان۔ تیسرے ظلوم وجھول امانت سے مراد عشق الٰہی ہے۔

انسان سے بموجب فرمان حضور امام ہمام حضرت مہدی موعود علیہ السلام خصوصی مراد حضرت بندگی میاں شاہ خوندمیر صدیق ولایت رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور عمومی مراد صرف انسان ہے اور ظلوم وجھول دو صفات ہیں۔

ف: اس آیۂ کریمہ کی تشریح یہ ہوسکتی ہے کہ کَانَ صیغہ ماضی ہے۔ ظُلُوم کے معنیٰ ظلمت و تاریکی اور اندھیرا۔ اور جُھُول کے معنیٰ نادانی و جہل ہے۔ یہ دو صفات ہیں۔

اس لحاظ سے انسان امانت اُٹھانے سے پہلے جہل کی تاریکی میں تھا۔ جب اُس نے دیکھا کہ سب نے اس امانت یعنی عشق و محبت کے اُٹھانے سے انکار کر دیا ہے تو تجھ میں ایسا کونسا وصف ہے جو تو اس امانت کے اٹھانے کا ارادہ کرتا ہے۔ اس خیال کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے اسرار کی روشنی ڈالی۔ پس اُس نے فوراً ہی اس امانت کو اُٹھالیا کہ اس میں اسرار ربانی ہے۔

ف: اس کے علاوہ اس کائیناتِ عالم میں سوائے انسان کے ایسا کون تھا جو اس امانت کو اٹھا سکے کیونکہ ظُلُوم و جُھول کے دو وصف اِنسان ہی میں رکھے گئے تھے۔ اور جب کہ آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں وغیرہ میں یہ ظُلُوم و جھول کے صفات رکھے ہی نہیں گئے تھے تو اس امانت کو کیسے اٹھا سکتے تھے۔ اس لئے سب نے انکار کر دیا۔

بالآخر اپنی امانت کو حضرتِ اِنسان کے سپُرد کر کے عَالمِ ناسوت میں روانہ فرما دیا۔

اب اِنسان کو امانت کی حفاظت کرتے ہوئے عَالمِ ناسوت سے اپنی اصل کی طرف پلٹنا ہے۔ بموجب ارشاد حضور مکرم حضرت رسول اللہ صلعم کہ

"کُلُ شَئِیٔ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِہٖ O"

چندسُوال وجواب

طالبانِ علمِ معرفت وعاشقانِ ذاتِ حق کی معلومات کے لئے چندسوال وجواب لکھے جاتے ہیں تا کہ طالبِ حق کی رہبری ہواور معرفتِ ذاتِ الٰہی کے راستہ میں ثابت قدم رہے اور کہیں دھوکا نہ کھائے ۔ کیونکہ معرفتِ ذاتِ الٰہی کے راستہ میں نہایت اہم اور نازک منزلیں ہیں اِن منزلوں کی پوری معلومات نہ ہوں اور اعتبارات وتصورات میں ذرہ برابر بھی اگر غلطی ہوجائے تو کفروالحادکا اندیشہ پیدا ہوجاتا ہے۔اس لئے سنبھل کر حقیقی اعتبارات وتصورات کے ساتھ اس راستہ کو طے کرنا ہے۔اورساتھ ہی ذاتِ ربُ العزت سے فضل وکرم کی التجا کرنا ہے۔کیونکہ اُس کے فضل وکرم کے بغیر کوئی راستہ ملنا ناممکن ہے۔

سوال: شریعت وطریقت وحقیقت ومعرفت کیا چیز ہے؟

جواب: علمِ معرفتِ ذاتِ الٰہی کی یہ چار منزلیں ہیں طالب حق انہیں چار منزلوں سے گذر کر مقصود کو پاتا ہے۔ یہ چار منزلیں ایک دوسرے کی بنیاد ہیں۔ چنانچہ شریعت بندگی ہےاور طریقت ترکِ خودی۔ حقیقت وصال ہےاور معرفتِ کمال۔

جب تک بندگی میں کمال پیدا نہ ہوگا۔اس وقت تک ترکِ خودی حاصل نہ ہوگی۔اور جب تک خودی کو ترک نہ کیا جائیگا وصال نہ ہوگا۔اور جب تک وصال نہ ہوگا معرفتِ حق کا کمال حاصل نہ ہوگا۔اور یوں سمجھئے کہ شریعت فرماں برداری' طریقت غیر سے بیزاری' حقیقت دوست سے آشنائی' معرفت اپنے آپ سے آگاہی۔اس سے آگے غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ شریعتِ لباس ہےاور طریقتِ جسم' حقیقت روح ہےاور معرفت ذاتِ حق۔

ان چاروں منزلوں کی کیفیت وحقیقت حضورمکرم حضرت رسول اللہ صلعم کی ذات میں جمع ہیں۔ چنانچہ ارشادفرماتے ہیں کہ اَلشَّرِیْعَتُ اَقْوَالِیْ وَالطَّرِیْقَتُ اَفْعَالِیْ وَالْحَقِیْقَتُ اَحْوَالِیْ وَالْمَعْرِفَتُ اَسْرَارِیْ O یعنی شریعت میرے اقوال اورطریقت میرے افعال اور

حقیقت میرا حال اور معرفت میرے اسرار ہیں۔

اس حدیث شریف کی روشنی میں ثابت ہوتا ہے کہ حضور معلہم کائینات حضرت رسول اللہ صلعم کی ہر کیفیت میں کامل اتباع ان چاروں منزلوں کو طے کراتی ہے۔اس لئے ہم غلامانِ آنحضرت صلعم کا فرض ہے کہ آپ صلعم کے اقوال میں افعال میں، احوال میں اور اسرار میں کامل اتباع کریں۔تا کہ مقصود و مطلوب حاصل ہو۔

ف: منزل اول میں مرید صادق کو چاہیئے کہ اپنے پیر کو (جو کامل ہو ناقص نہ ہو) حضرت رسول اللہ صلعم کی ذات میں فنائے کامل حاصل ہے تصور کر کے صرف اپنے پیر کامل کی ان چاروں منزلوں کی تعلیمات حاصل کر کے اِتباع کرے۔یقیناً مقصود کو پائیگا اور مطلوب کو حاصل کرے گا انشاءاللہ تعالیٰ

سوال: سلوک کیا چیز ہے اور سالک کس کو کہتے ہیں؟

جواب: سلوک کے لغوی معنی آراستہ چلنا ہے اور صوفیائے کرام کی اِصطلاح میں انتقال حسّی کو کہتے ہیں۔یعنی ایک حال ومقام سے دوسرے حال ومقام میں جانا۔جیسے اللہ کی طلب میں ذکر اللہ ومشاہدہ کے ذریعہ مقامِ ناسوت سے مقامِ ملکوت کی جانب ترقی کرنا اسی کو سیر الیٰ اللہ بھی کہتے ہیں۔یعنی عاشق کا اپنے معشوق کی طرف روانہ ہونا۔اور اس راستہ پر چلنے والے کو سالک کہتے ہیں۔

سوال: تزکیۂ نفس کا کیا مطلب ہے؟

جواب: تزکیۂ نفس کے معنیٰ نفس کو پاک کرنے کے ہیں سلوک میں تزکیہ نفس یہ ہے کہ سالک اپنے نفس کو حیوانی اور برے اوصاف سے پاک کر کے نیک اخلاق اور ملکی صفات سے آراستہ کرے اور نفس اَمّارہ کو جو برائی کی طرف لے جانے والا ہے۔لَوَّامہ اور مُطمئِنہ کے اوصاف سے موصوف کرے۔اور حقیقتِ سلوک یہ ہے کہ اپنے میں اللہ کے اخلاق پیدا کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تُخَلّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِO

سوال: تصفیہ قلب کس کو کہتے ہیں؟

جواب: سلوکِ دل کا نام تصفیہ ہے۔یعنی دل ایک آئینہ ہے۔اس میں مقامِ ناسوت کے تقاضہ کے تحت مختلف قسم کا زنگ آجاتا ہے۔جیسے وہم باطل، دنیا کی حرص، بغض، حسد اور کینہ، دنیا کی محبت اور دنیا کمانے کی فکر وغیرہ یہہ

ایسی چیزیں ہیں جس کی وجہ قلب زنگ سے بھر جاتا ہے۔ جب دل کے آئینہ پر ان چیزوں کا زنگ آجاتا ہے تو یار کی صورت نظر نہیں آتی۔ اور ایسے دل میں اللہ کی طلب نہ رہتی ہے۔ اور نہ پیدا ہوتی ہے۔ تاوقتیکہ ان چیزوں سے دل کو پاک وصاف نہ کیا جائے۔

انہیں چیزوں سے دل کو پاک وصاف کرنے کو تصفیہ قلب کہتے ہیں۔ جب ان چیزوں سے قلب مُصفاً یعنی پاک وصاف ہوجاتا ہے تو دل میں اللہ کی طلب ومحبت پیدا ہونے لگتی ہے اور دل کے آئینہ میں یار کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے۔

سوال: تجلّیہ روح کس کو کہتے ہیں؟

جواب: مشاہدہ حق کے نور کی مدد سے شوق ومحبت اور اسرار وانوار سے روح میں تجلی پیدا کرنے کو تجلیہ روح کہتے ہیں۔ یعنی طالب پہلے اپنے قلب میں اپنے پیر کامل کی محبت پیدا کرے (واضح رہے کہ اگر پیر کامل نہ ہوگا تو دل میں اس کی محبت کو قرار وقیام حاصل نہ ہوگا۔ یہی ناقص ہونیکی علامت ہے۔

اس کے بعد اپنے پیر کامل کی ذات میں مشاہدہ حق کی تعلیم حاصل کرے۔ اس تعلیم پر عمل پیرا ہونے سے بہ قدر محبت ایک نور کی تجلی ہوگی۔ جس کی کیفیت یہاں بیان نہیں کیجا سکتی اس مشاہدہ حق کے نور کی مدد سے جو اسرار وانوار پیدا ہونگے ان تجلیات کو جو طالب دیکھ رہا ہے اپنی روح میں پیدا کرے اسی کو تجلیہ روح کہتے ہیں؟

سوال: مقصد کس کو کہتے ہیں؟

جواب: علماء محققین کی اصطلاح میں قید ہستی سے باہر آنا۔ اور دُوئی کو ختم کرکے وحدتِ حقیقی میں پہونچنے کو مقصد کہتے ہیں۔ حضرت امام ناسیدنا مہدی موعود علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ ''زیستن بہ جاں یعنی بہ ہستی خود کفر است''، یعنی اپنی ہستی کے ساتھ جینا کُفر ہے''۔

کفر اس طرح کہ جب اپنی ہستی کو مان لیا اور اپنی ہستی کا اقرار کرلیا تو نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ خدا کی ہستی سے انکار ہوجائیگا۔ اور اگر اپنی ہستی کو بھی مانا اور خدا کی ہستی کو بھی مانا تو دو ہستیوں کا اقرار ہوگا۔ دو ہستیوں کا اقرار یقیناً کفر ہے وحدت میں دُوئی شرک وکفر ہے۔ الغرض اپنی ہستی کو ختم کرنا اور دُوئی کو بھی ختم کرکے وحدت حقیقی میں

پہونچنا اسی کو مقصد کہتے ہیں۔

سوال: وحدت سے کثرت میں کیوں آیا؟

جواب: مختصرطور پر یہ کہ اپنی رُبوبیت ظاہر کرنے کے لئے وحدت سے کثرت میں آیا۔ خیال رہے کہ وحدت سے نہ کچھ نقصان تھا اور نہ کثرت سے کچھ فائدہ حاصل ہوا۔ جیسا تھا ویسا ہی اب بھی ہے۔

پرشوُرِ اَلَست کی نِدا ہے اب بھی
جو تھی وہی آن وادا ہے اب بھی
ہوتی نہیں سنتِ الٰہی تبدیل
جس شان میں تھا وہی خدا ہے اب بھی

ف: وحدت کے لئے کثرت لازم ہے اور کثرت کے لئے وحدت واجب ہے یعنی کثرت وحدت کے ساتھ رہتی ہے اگر وحدت نہ ہو تو کثرت ہو ہی نہیں سکتی۔

ف: وحدت سے کثرت میں آنے کی اصل وجہ تفصیلاً یہ کہ اپنے آپ کو ظاہر کرے اور آپ پہچانا جائے۔ چنانچہ اپنے ظہور کی اصل وجہ خود ہی بہ زبانِ حضرت رسول اللہ صلعم ارشاد فرماتا ہے کہ:

کُنتُ کَنزاً مَخفِیاً فَاَحبَبتُ اَنْ اُعرِفَ فَخَلَقتُ الخَلقَ وَتَعَرَفتُ اِلَیھِمْ فَبِی عَرَفُونِی وَعُرِفتُ بِھِمْ O یعنی میں ایک مخفی (چھپا ہوا) خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں۔ پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔ اور میں نے اُن کو اپنا شناسا کیا۔ پس اُنہوں نے مجھکو مجھ سے پہچانا۔ اور میں اُن کے ذریعہ پہچانا گیا''۔

ف: حق کو طلب کرنے والوں اور توحید کے تلاش کرنے والوں کو یہ بات خوب سمجھ لینا چاہئیے کہ حق تعالیٰ وجودِ مطلق ہے۔ اس وجود کے لئے نہ کوئی شکل ہے اور نہ کوئی حد وحصر۔ یہ وجود واحد ہے اور لباس متعدد اور مختلف ہیں۔ اور یہ وجود تمام موجودات کی حقیقت ہے۔ کوئی شئے اس وجود سے خالی نہیں۔ اور یہ وجود قائم بالذات یعنی خود بخود موجود اور کل موجودات میں ظاہر ہے۔ خارج میں بھی اس کے سوا کچھ نہیں۔

ف: اس وجود کے کئی لباس ہیں۔اول لباس لاتعین وذاتِ بحت ۔یعنی خاص لباس ذاتی ہے۔اس لباس میں تعین وغیر تعین کو دخل نہیں ۔کیونکہ وہ ذات ہر قید واطلاق سے منزہ و پاک ہے۔اور وجودِ مطلق کی ذات میں کل اشیاء مندرج اور اَسماء وصفات مخفی ہیں۔

ف: لباس دوم تعین اول ہے۔اس لباس ومرتبہ میں ذاتِ مطلق کو ہر شئے میں علم بالِا جمال ہے۔اس مرتبہ میں ذات کا نام وحدت ہے۔وحدت مرتبہ اجمال ہے۔اور واحدیت مرتبہ تفصیل ہے۔مرتبہِ تفصیل مرتبہ اجمال سے ظہور میں آنا ہے۔وحدت تمام قابلیات کا منشاء ہے کہ وہ حقایقِ اشیاء ہیں۔مرتبہ وحدت میں ظاہر و باطن دونوں برابر ہیں۔اور یہ اَحَدْ اور وَاحِدیت کے درمیان بَرزخِ جَامِع ہے۔جس طرف توجہ کرتا ہے بے واسطہ اُس کا رنگ پکڑتا ہے۔کبھی باطن کی طرف کہ وہ اَحَدْ ہے اور کبھی ظہور کی طرف کہ وہ واحدیت ہے۔

عُلماءِ محققین نے اس مرتبہ کے حسب ذیل نام رکھے ہیں۔

تعین اول: تعین اول اس لئے کہتے ہیں کہ اس مرتبہ میں ذات کے نام مقرر ہوئے ہیں۔

علم ومطلق ووجودِ مطلق: علمِ مطلق کہ وہ وجودِ مطلق ہے۔اس مرتبہ میں ذات کا شعور اور ذات کا پایا جانا باعتبارات مطلق ومجمل ہے۔ہر ایک مرتبہ نے اسی مرتبہ سے تقَیدُ پایا ہے۔

وحدتِ حقیقی: یہ نام باعتبار تعین اول ہے۔یعنی ذات کی نسبت دونوں جانب برابر ہے۔اور کسی جانب متوجہ نہ ہوتو یہ بَرزخ ہے۔

وِلایتِ مُطلقہ:۔

نبوت مقیدہ اور ولایت مقیدہ کی تعریف الفاظ میں نہیں کی جاسکتی۔ البتہ اُس کو علماءِ محققین نے آئینہ کی تشبیہہ سے سمجھایا ہے چنانچہ نبوت مقیدہ اُس آئینہ کو کہتے ہیں جو ذاتِ مطلق کے مقابل ہے۔

اُس آئینہ کے اندر ذاتِ مطلق کا جو پَرتَو ہے اُس کو ولایت مقیدہ کہتے ہیں۔

نبوت وولایتِ مقیدہ دونوں حقیقتِ محمدیؐ کے ظہور ہیں۔اسی لئے نبوت وولایت مقیدہ محمدیہ صلعم کہتے ہیں۔

حقیقتِ محمدی صلعم کے ظاہر کو نبوت اور باطن کو ولایت کہتے ہیں۔

نبوت مطلقہ تمام انبیاء علیھم السلام آئینہ نبوتِ مقیدہ محمدؐیہ کے مقابل ہے۔یعنی نبوتِ مقیدہ محمدؐیہ سے فیض حاصل کرتے ہیں۔

اور پَرتَو مطلق ولایتِ مقیدہ ہے۔اسی ولایتِ مقیدہِ ذاتِ مطلق کے پَرتَو کو ولایت مطلقہ کہتے ہیں۔

تجلّی اوّل وحقیقتِ محمدؐی: اسی مرتبہ میں ظہور اول ہوا ہے۔یعنی پہلا مرتبہ ظہور یہی ہے کہ اول تجلی میں نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ظہور میں آیا ہے۔

ف: لباس سوم تعین ثانی ہے۔اس لباس میں اللہ کا علم ہر شئے میں بالتفصیل ہے۔اس لباس کو واحدیت اور حقیقتِ انسانیہ بھی کہتے ہیں۔

اس مرتبہ میں اسماء وصفات کا کمال بالتفصیل مطلوب ہے۔اور یہ تجلی تعین ثانی پر موقوف ہے۔ پس ذات نے دوسری تجلی فرمائی۔یعنی ذات نے وحدت سے ظہور کی جانب توجہ فرمائی تو اس مرتبہ کا نام واحدیت رکھا گیا۔الحاصل ذاتِ مطلق نے بہ تعین اطلاق اَحَدُ نام پایا جیسا کہ حضرت رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَه، شَئِي ۝ یعنی صرف اللہ تھا اور اُس کے ساتھ کوئی شئے نہیں تھی''۔

ف: پھر اُس ذاتِ مقدس نے بہ تعین نور حقیقتِ محمدؐی نام پایا۔جیسا کہ حضور سرورِ کائینات حضرت رسول اللہ صلعم ارشاد فرماتے ہیں کہ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِی ۝ یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے

میرے ہی نور کو اپنا مظہر بنایا‘‘۔

ف: پھر اُس ذاتِ اقدس نے اپنے نور کے جمال بے مثال کو ملاحظہ فرما کر خود کو عاشق اور نورِ قدسی کو اپنا محبوب بنایا۔ چنانچہ حدیثِ قدسی لَوْ لَاکَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرَّبُوْبِيَّتَ ۝ گواہ ہے۔ یعنی اے محمد صلعم اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔‘‘

ف: پھر اُس نُورِ لطیف کو عفان بخشا تا کہ اپنے نفس کی معرفت سے اپنے رب کی معرفت حاصل کرے اور مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ کی تصدیق ہوجائے۔ پس اِعرفان کی وجہ سے اُس نورِ مقدس کو روحِ قدسی کا خطاب عنایت ہوا۔ اور عالمِ جبروت حقیقت انسانی میں تفصیلی علم کے ساتھ ظہور فرمایا۔ اس درجہ وجود میں وہ روحِ قدسی اپنی شناخت کے وسیلے سے ذاتِ اَحَد کو ساتوں صفات سے شناخت کر کے ذات پر عاشق ہوگئی۔

اس مرتبہ میں ذات کو اپنے مظہر سے محبوبیت کی نسبت ہے۔ یعنی اس مقام میں ذات الٰہی محبوب اور مظہر عاشق ہے۔

ف: پھر ذات نے عالمِ ملکُوت میں ظہور فرمایا۔ اور اپنی کمال شانِ محبوبی سے روحِ قدسی سے ارواحِ غیر متناہی اور آئینہ ہائے مختلف الالوان کو ظہور میں لایا۔ جیسا کہ حضور مقصودِ کائینات حضرت رسول اللہ صلعم ارشاد فرماتے ہیں کہ اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَکُلُّ شَئیٍ مِنْ نُوْرِیْ ۝ یعنی میں اللہ کے نور سے ہوں اور کائینات عالم کا ذرہ ذرہ میرے نور سے ہے‘‘۔

اس کے علاوہ قرآن حکیم کے پارہ (۲۱) رکوع (۶) میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ’’اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا۔ اور تمہاری زبانوں (بولیوں) کا اور رنگوں کا اِختلاف۔ البتہ اس میں عالموں یعنی عارفوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ تا کہ اپنے حُسن و جمال کو ان مختلف آئینوں میں ملاحظہ کریں‘‘۔

ف: اس مرتبہ میں ذاتِ حق کو اپنے ظہور سے ایسی نسبت ہے جیسی باپ کو اولاد سے اور اولاد کو باپ سے نسبت ہے۔ یعنی اس مرتبہ ملکوت میں ذاتِ حق باپ کی مانند رحیم و کریم، تربیت و پرورش کرنے والا ہے۔ اور مخلوق

اولاد کی طرح نہ خوفِ عذاب ہے نہ اُمیدِ ثواب نہ خیالِ عطا نہ طلبِ عرفان نہ آرزوئے کمالات۔

ف: پس ذات حق اپنی رُبوبیت کے اِثبات کے لئے اور قضا وقدر کے حکم کی اجرائی کے واسطے، خود ان اَرواح کی تربیت کے لئے، اپنے قہر وعطا، رحم وکرم کوارواح ظاہر کرکے اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ قَالُوۡ بَلٰی شَھِدۡنَا O عبودیت کا اقرار لیا۔ اور سب کو وَلَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡٓ اٰدَمَ کے خطاب سے مشرف فرمایا۔ اور اِنَّا جَعَلۡنٰکَ خَلِیۡفَۃً فِی الۡاَرۡضِ O خلافت کا حکم سنا کر ثُمَّ رَدَدۡنٰہُ اَسۡفَلَ سَافِلِیۡنَ O پھر عالمِ جسمانیات میں بھیج کر قیام کا حکم فرمایا۔"

ف: پھر ذاتِ حق نے اَحۡکَمُ الۡحَاکِمِیۡنَ کی شان سے اپنے بندگانِ خاص کے ذریعہ احکام بھیجنے شروع فرمادیئے تاکہ اُس کے ذریعہ بندے اور رب کا عرفان حاصل کرکے اپنی اصل پر پہنچے۔ جیسا کہ حضور معلمِ کائینات حضرت رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے کہ کُلُّ شَیۡءٍ یَرۡجِعُ اِلٰی اَصۡلِہٖO یعنی ہر شے اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے" یہ ارشاد بموجب ارشادِ ربُ العزت ہے کہ وَاِلَی اللّٰہِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُO (پارہ۲ رکوع۹) یعنی وہ سب حقایق واُمور اللہ کی طرف پھیرے جاتے ہیں"۔

پس جب کہ ذاتِ الٰہی کے سوا کسی کی اصل نہیں پائی جاتی تو غور کیجئے کہ یہ مخلوق کیا ہے؟ البتہ صورت کے اعتبار سے غیر ہے۔ اور معنیٰ کے اعتبار سے عین ہے اور صورت معدوم محض ہے۔ پس ذاتِ حق کے سوا موجود نہیں۔

ف: احادیثِ صحیحہ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اول پانی کا ظہور ہوا۔ پھر اُس میں جوش آیا۔ پھر بخارات اُڑے اور اُس پر کف ظاہر ہوا۔ اگر چہ کہ اِن سب کی صورت مختلف ہوگئی۔ مگر حقیقت سب کی پانی ہے

اس اجمال کی تشریح یہ ہے کہ پانی سے مراد دریائے اَحدیت ہے۔ اور اُس میں جوش آنا اِدارہ ظہور ہے جس کو تنزل اول کہتے ہیں۔ یعنی حضور مقصود کائینات حضرت رسول اللہ صلعم کا نور ظہور میں آیا۔ اور بُخارات اٹھنا۔ تعین ثانی حقیقتِ آدمؑ یعنی حقیقتِ انسان ہے۔ اور اُس پر کف نمودار ہونا عالمِ اجسام کی پیدایش مراد ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ تمام عالمِ جسمانیات وکائینات کی اصل پانی ہے۔ اور پانی کی اصل ذات الٰہی

ہے۔تو سُب اَشیاء کے وجود میں وحدتِ حقیقی موجود ہے۔جیسے ہر شئے میں پانی کی حقیقت موجود ہے۔
اس تفصیل سے سمجھ میں آ گیا کہ وحدت سے کثرت میں کیوں آیا۔اور اس کثرت کی حقیقت واصل کیا ہے۔

سوال: فقر کیا چیز ہے اور فقیر کس کو کہتے ہیں؟

جواب: فقر ایک راز ہے۔بندے اور خدا کے درمیان کا ایک راز و نیاز ہے۔جو تقریر و تحریر میں نہیں لایا جا سکتا۔ یہ منزلِ عشق ہے۔یہ بہت اہم اور اسرار سے بھری ہوئی منزل ہے۔اسی لئے حضور فخرِ موجودات حضرت رسول اللہ صلعم ارشاد فرماتے ہیں کہ اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَ اَلْفَقْرُ مِنِّی O یعنی فقر پر میں فخر کرتا ہوں اور فقر مجھ سے ہے"۔ سُبْحَانَ اللّٰہُ بِحَمْدِہٖ

حضرت سرورِ کائینات رسول اللہ صلعم کے وسیلے سے ذاتِ ربُّ العزت کی ہر اُس بندے کے ساتھ جو اِس منزل میں پہونچنے مختلف کیفیت و نوعیت ہے۔جو بیان سے باہر ہے اس کیفیت و لذت کو سمجھا جا سکتا ہے۔ سمجھایا نہیں جا سکتا۔

صرف سمجھنے کی حد تک بلاتشبیہہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے دُولھا دُلھن کی شادی اگر چہ کہ والدین کی مرضی سے ہوتی ہے۔اور شادی کے تمام رسوم اِنہیں کے وسیلے اور واسطہ سے تکمیل پاتے ہیں۔لیکن وصال کے وقت کسی کا دخل نہیں ہوتا۔اور شبِ زفاف کی کیفیت و لذت دولھا دلھن کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وصل کا لطف و کیف یہ دونوں بھی بیان نہیں کر سکتے۔

اسی طرح فقر ایک راز ہے بلکہ وہ ایک رُوحی اثر ہے جو پیر کامل مرید کے دل میں ڈالتا ہے۔پھر اس کو باطنی تعلیمات سے سیر الی اللہ اور پھر سیر مَعَ اللہ اور آخر میں سیر فی اللہ کرا کے خدا کے حوالے کر دیتا ہے۔اُس کے بعد اُس کے اور خدا کے درمیان جو راز و نیاز ہوتا ہے اُس کو فقر کہتے ہیں۔یہ مقام اور یہ منزل جس کو حاصل ہوتی ہے اُس کو فقیر کہتے ہیں۔

ف: یہ منزل اور یہ مقام پیر کامل کی غلامی کرنے سے اور اُس پر مال و جان اور اپنا سُب کچھ قربان کر دینے

سے حاصل ہوتا ہے محض رسمی بیعت و مریدی اور علاقہ کر لینے سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس راستہ میں پیر کامل سے سچی محبت اور کامل عشق ہی رہبری اور مدد کرتا ہے۔

بُوالہوس پاؤں نہ رکھیو اِس راہ کے بیچ
کوچۂ عشق ہے یہ رہ گزر عام نہیں

فقیر کا مرتبہ بخود فانی و بحق باقی یعنی بقا باللہ کا مرتبہ ہے اس مرتبہ کی شان کو رَبُّ العزت بہ زبان حضرت رسول اللہ صلعم ارشاد فرماتا ہے کہ اَوْلِیَایٔ تَحْتَ قبَایٔ لَا یَعْرِفُھُمْ غَیْرِی O یعنی میرے دوست (یعنی میرے فقیر) میری قبائیں ہیں۔ میرے سوا اُن کو کوئی نہیں جانتا''۔ اللہ اللہ کیا مقام و کیا منزل ہے۔

غور کیجئے کہ فقیر کی منزل کہاں ہے مگر جھان والے اس کو نہ جانتے اور نہ پہچانتے ہیں۔ جن کو بینائی نصیب ہے وہی فقیر کو دیکھ سکتے ہیں۔

خاکسارانِ جھاں را بہ حقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

یعنی جھان کے خاکساروں کو ذلت کی نظر سے مت دیکھ تو کیا جانے کہ اِس گرد میں (یعنی خاکی پردے) میں کوئی سوار چھپا ہوا ہو''۔

نہ سمجھو خاک کا پتلا مجھے ذرا دیکھو
کہ آفتابِ حقیقت اسی غبار میں ہے۔

الغرض اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ فقر کیا ہے اور فقیر کس کو کہتے ہیں اور فقیر کا مقام اور منزل کہاں ہے۔

سوال: عبادت الٰہی کے مدارج کا کیا مطلب ہے؟

جواب: آدمیوں کے اعتبار سے عبادت کے مدارج یعنی درجے ہیں۔ ہر ایک شخص اپنی عقل اور عمل کے اعتبار سے درجہ پاتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''جس کی عقل زیادہ ہے اُس کے مدارج بھی زیادہ ہیں''۔

حضرت معلمِ کائنات رسول اللہ صلعم نے حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو بطور خاص ارشاد فرمایا

کہ یا علیؓ اِذَا تَقَرَّبَ النَّاسُ اِلَی اللّٰہِ بِاَنْوَاعِ الْبِرِّ فَتَقَرَّبْ اَنْتَ بِعَقْلِکَ O (ابونعیم) یعنی اَے علیؓ جب لوگ اپنی مختلف نیکیوں کے ذریعہ اللہ کا قُرب (نزدیکی) حاصل کریں تو تم اپنی عقل (عرفان) سے اللہ کا قُرب حاصل کرو''

اورارشادفرمایا کہ مَا خَلَقَ اللّٰہُ خَلْقًا اَکْرَمَ عَلَیْہِ مِنَ الْعَقْلِ O (ترمذی شریف) یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو عقل سے زیادہ افضل اور بہتر پیدا نہیں کیا''۔

حضور مظہر ذات حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام ارشادفرماتے ہیں کہ '' دانا کا ایمان دانا' نادان کا ایمان نادان''

سُبْحَانَ اللّٰہ کیا انتہائی مقام کی طرف اِشارہ ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَلِکُلٍّ دَرَجَاتٌ مِمَّا عَمِلُوْا وَمَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ O (پارہ ۸ رکوع ۳) یعنی اُن کے عمل وعرفان کے لحاظ سے ہر ایک کے درجے ہیں اور تیرا رب اُن کے عمل سے بے خبر نہیں ہے''۔

پس آدمیوں کے عقل وعرفان کے اعتبار سے آدمی تین قسم کے ہیں۔ آدمیوں کا چوتھا درجہ تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ O یعنی وہ جانوروں کی مانند ہیں بلکہ اُن سے بھی بدتر ہیں۔

ف: تین قسم یہ ہیں۔

(۱) خاص' (۲) مُقَلِّد (۳) عام۔ ان میں سے ہر ایک کی عبادت مختلف ہے۔ چنانچہ حضرت رسول اللہ صلعم کا مشہور ارشاد ہے کہ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ' فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ O یعنی ''اللہ کی اس طرح عبادت کر کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اُس کو نہ دیکھ سکے تو (اس تصور و یقین سے عبادت کر کہ) وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔''

یہ حدیث شریف حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ کے حوالے سے مشکوٰۃ شریف میں بیان کی گئی ہے۔ حضرت معلمِ کائینات حضرت رسول اللہ صلعم کے اس ارشاد سے ثابت ہو رہا ہے کہ بندہ جس کی عبادت کر

رہا ہے یعنی نماز پڑھ رہا ہے اُس کو دیکھ کر یعنی اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر نماز ادا کرے۔ اِسی مقام کو منزل مشاہدہ کہتے ہیں۔ مشاہدہ کے معنیٰ دیکھنے کے ہیں۔

اس منزلِ مشاہدہ میں بندہ ناظر اور اللہ منظور ہوتا ہے۔ اور اگر بندہ میں اتنی روحانی قوت نہ ہو تو کم از کم اس تصور و یقین کامل کے ساتھ نماز ادا کرنی چاہئیے کہ جس کی نماز ادا کی جارہی ہے وہ اللہ اُس کو دیکھ رہا ہے۔ اسی کو مقامِ تصور اور منزلِ مراقبہ کہتے ہیں۔ اس منزلِ مراقبہ میں اللہ ناظر اور بندہ منظور ہوتا ہے۔

ف: عبادت کا حقیقی مقصود اللہ کو دیکھنا ہے جو مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔ مراقبہ کا عمل ابتدائی ہے۔ جس کی تکمیل مشاہدہ کی طرف لے جاتی ہے۔

مشاہدہ و مراقبہ کی تعلیمات پیر کامل سے حاصل کر کے اُس پر عمل کرنا چاہئیے تا کہ عبادت کا حقیقی مقصود حاصل ہو۔

ف: اس حدیثِ شریف میں دو شخصوں کا حال بیان ہوا ہے ایک خاص الخاص دوسرا خاص۔ کیونکہ انسان دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو عبادت میں خدا کو دیکھنے والا ہوگا۔ یا نہیں دیکھنے والا۔ اگر دیکھنے والا ہے تو معراج سے مشرف ہوا صاحب بصیرت ہے دوسرا وہ شخص جو عبادت میں خدا کو دیکھتا تو نہیں مگر یہ یقین رکھنے والا ہے کہ خدا میرے دل کو، میری حرکتوں کو، میرے حال و اطوار کو دیکھ رہا ہے۔ اور یہ تصور اللہ کی جانب متوجہ رہتا ہے۔ اس کو صاحبِ مراقبہ کہتے ہیں۔

ف: پہلا شخص صاحبِ مشاہدہ اور خاص الخاص ہے اور دوسرا شخص صاحب مراقبہ خاص ہے۔ تیسرا عام آدمی کہ وہ نہ تو خدا کو دیکھتا ہے نہ عبادت کے وقت اُس کو یہ تصور ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ناظر ہے اور میں منظور ہوں تو ضرور ہے کہ بہ تقلید ایک سُنا سُنایا مصنوعی (بناوٹی) خدا بنائے گا۔ اور اُس کو اپنا قبلہ بنا کر نماز و عبادت کریگا۔ تو مصنوعی خدا کو عبد (بندہ) نے پیدا کیا۔ اس صورت میں عبد خالقِ اور مصنوعی خدا مخلوق ہوا۔ مخلوق کی عبادت کرنا شرک ہے۔ پس وہ مشرک ہوا۔

ف: اور بعض آدمیوں کو تو نماز میں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ اُن کو تو صرف اُٹھ بیٹھ اور سر

ٹکرانے سے کام ہے یہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

اگر چہ کہ شریعت نے ایسے مشرک اور نقالوں کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کیا۔لیکن عبادت کا نتیجہ صرف زبانی بکواس اور اُٹھ بیٹھ کے کچھ نہیں۔

ف: ایک روز صحابیؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم اعمال میں کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا کہ علمِ خدائے پاک کا افضل ہے'' پھر صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم اعمال سے متعلق عرض کر رہے ہیں۔ پھر آپ (صلعم) نے فرمایا کہ علمِ خدائے پاک کا افضل ہے'' پھر صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم اعمال سے متعلق پوچھ رہے ہیں اور آپ علم ارشاد فرما رہے ہیں؟ آپ (صلعم) نے فرمایا کہ خدائے پاک کا علم (علمِ معرفت) کے ساتھ تھوڑا سا عمل کارآمد ہوتا ہے اور علمِ معرفت کے بغیر بہت سا عمل بے سود ع اور بیکار ہے''۔

یعنی معرفتِ الٰہی کے بغیر بہت سا عمل کچھ کام نہیں آتا۔چنانچہ ارشاد ہوا کہ وَلَيْسَ بِمُؤْمِنٍ اَنْ يَجْبَعُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ وَيَقُوْلُوْنَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهَ رَسْمِيٌّ O یعنی مسجدوں میں جمع ہونے والے اور رسمی کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهَ کہنے والے حقیقی کلمہ سے بے خبر ہیں۔اور وہ مومن نہیں''۔ یعنی اُن کو ایمان نصیب نہیں۔کیونکہ وہ نہ مراد کلمہ سے واقف ہیں اور نہ مقصود سے آگاہ۔

پس ایسے کلمہ گو عارفوں کے نزدیک مشرک ہیں۔اس لئے کہ صرف زبان بکواس کے سوا اور کچھ نہیں جانتے کہ کلمہ میں کس کی نفی اور کس کا اثبات ہے۔جبکہ تمام موجوداتِ عالم میں حق ہی حق ہے۔

ف: کلمہ توحید میں دو چیزیں ہیں۔ایک اِثبات یعنی وجودِ مطلق کو ثابت و قائم کرنا۔دوسری نفی یعنی غیر حق کی نفی کرنا۔غور کا مقام ہے کہ اگر حقیقت میں کوئی غیر حق نہیں ہے تو نفی کس کی؟ اور نفی کا مطلب کیا ہے؟

اور اگر غیر حق کا بھی وجود ہے تو ہمارے نہیں' نہیں کہنے سے یا اِس ''نہیں نہیں'' کے خیال سے وجودِ غیر حق کس طرح ختم ہوگا؟

اسی نفی و اثبات کی فہم اور تعلیمات کو مرشدِ کامل سے حاصل کرنا چاہیئے تا کہ کلمہ کا حقیقی مقصد حاصل ہو اور عبادت میں کمال کا باعث ہو۔

وَسِیلَہ

علمِ معرفت واسرارِ ذات ایک بحرِ ذَخَّار ہے جس کا نہ کوئی کنارہ ہے اور نہ کوئی حد۔ پھر بھی اس کتاب کی گنجایش کے اعتبار سے تصوف وعرفان، علمِ معرفت اور دیدِ حق کے جو مختصر مضامین بیان کئے گئے ہیں۔ اُن کا سمجھنا اور اُس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اُس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے عملی رہبری کی ضرورت ہے۔

سلوک وعرفان کی منزلوں کی رہبری پیر کامل کے سوا کوئی دوسرا نہیں کرسکتا اس لئے پیر کامل کی تلاش اور اس کے ہاتھ پر بیعت ضروری اور لازمی بلکہ فرض ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ O یعنی ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور تلاش کرو اُس کی طرف وسیلہ۔ اور کوشش و محنت کرو اُس کی راہ میں۔ تاکہ فلاح کو پہونچو''۔

واضح رہے کہ اس آیتہِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مخاطب فرمایا ہے۔ صرف اسلام لانے والے مسلمان کو مخاطب نہیں فرمایا۔

ف: اس آیتہِ کریمہ میں اٰمَنُوْا سے قرآن اور احادیثِ صحیحہ حضرت رسول اللہ صلعم پر ایمان لانا مراد ہے۔ ایسے ہی ایمان لانے والے مومنین کو اللہ تعالیٰ مخاطب کرکے فرمارہا ہے کہ اَتَّقُوا اللّٰهَ O یعنی اللہ سے ڈرو۔ اس حکم میں تمام اوامر ونواہی شامل ہیں۔ جن کی تعمیل مومنین پر فرض ہے۔

پیر کامل کی تلاش فرض ہے ناقص کے ہاتھ پر بیعت جائز نہیں: وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ O یعنی تلاش کرو اُس کی طرف وسیلہ سے مراد بیعتِ پیر کامل ہے۔ یعنی منازلِ سلوک، عرفانِ حق، دیدارِ حق، نفس ورب کی پہچان اور ذات الٰہی کے حصول کے لئے پیر کامل کی ذات وسیلہ ہے۔ تلاش کرو سے اِس بات کا صاف اشارہ ہے کہ پیرِ کامل تلاش کرو۔ کیونکہ پیرِ ناقص یا پیرِ رسمی اس راستہ میں رہبری نہیں کرسکتا۔ باپ دادا کے پیر یا ہر کسی کے ہاتھ پر خواہ وہ کیسا ہی ہو۔ بیعت کرلینا جائز ہوتا تو وَابْتَغُوْا یعنی تلاش کرو کا حکم نہ ہوتا۔ تلاش کرو کا مطلب یہی ہے کہ پیر کامل کم ہوتے ہیں۔ جو چیز کم یاب ہوتی ہے اُوسی کی تلاش کی ضرورت ہوتی ہے پیر رسمی بہت

ہوتے ہیں۔اس لئے باپ دادا کے پیر کہہ کر گڑھے میں مت گرو۔ بلکہ خوب غور وفکر کر کے پیر کامل تلاش کر کے اُس کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ چنانچہ حضرت امام الکائینات امامنا سیدنا مھدی موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ’’خوب پرکھ ٹھوک کر جس طرح دو پیسے کی ہانڈی خریدتے ہیں۔اُسی طرح جانچ پڑتال اور پرکھ کر پیرِ کامل کو اپنا پیر بناؤ اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرو‘‘۔حضرت امامنا سیدنا مھدی موعود علیہ السلام نے پیر ناقص اور پیر رسمی کو عِنّی یعنی نامرد فرمایا ہے۔اور فرمایا کہ جس طرح نامرد سے کسی عورت کا نکاح ہو ہی نہیں سکتا۔اسی طرح پیر ناقص یا پیر رسمی کے ہاتھ پر بیعت ہو ہی نہیں سکتی۔

ف: پیر کامل کی ظاہر علامت (نشانی) یہ ہے کہ اُس کی صحبت میں خدا یاد آنے لگے۔یعنی دنیا کی محبت کم ہونے لگے اور خدا کی محبت زیادہ ہونے لگے۔

ف: وَجَاهِدُوا سے ریاضت‘ مجاہدۂ نفس‘ اور ذِکر اللہ مراد ہے۔اور تمام فرائض ولایت کی تکمیل مقصود ہے۔

ف: سَبِيلِهٖ سے معرفتِ الٰہی کا راستہ مراد ہے۔

ف: تُفْلِحُونَ سے دیدارِ الٰہی مراد ہے جو فلاح اَبدی ہے۔

ضرورتِ مُرشد: حضور معلمِ کائینات حضرت رسول اللہ صلعم ارشاد فرماتے ہیں کہ مَنْ لَيْسَ لَهٗ شَيْخٌ فَشَيْخُهُ الشَّيْطَانَ ο یعنی جس کا شیخ (یعنی پیر کامل) نہیں ہے پس اُس کا شیخ (پیر) شیطان ہے۔

اِس ارشاد گرامی سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ پیر سے بیعت ہونا نہایت لازمی بلکہ فرض ہے۔ورنہ اُس کا پیر شیطان ہوگا۔یعنی وہ شخص جو بیعت نہ کریگا۔یقیناً شیطان کے ہاتھوں میں پھنس کر گمراہ اور لعنتی وجہنمی ہو جائیگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ پیر کامل سے بیعت کر کے مُرشد کامل کے ارشاد کے مطابق دیدارِ ربُّ العزت کے حاصل کرنے فرائضِ ولایت کی تکمیل کے ساتھ ذِکر اللہ میں مشغول رہو تا کہ دیدارِ الٰہی سے جو فلاحِ اَبدی ہے۔ مشرف ہو۔

پس جو شخص بیعتِ مُرشِد کامل کا منکر ہوگا وہ سنت اور نَصِ قرآنی کا اِنکار کرنے والا ہوگا۔ جو نصِ قرآنی کا انکار کرنے والا ہوگا۔ پس وہ کافر ہوگا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّ نَفْسِہٖ لہذا قرآنِ حکیم اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور دیدارِ ربُّ العزت کے راستہ میں وسیلہ ضروری اور لازمی ہے۔

بغیر بیعت مرنا جاہلیت و کُفار کی موت ہے: معرفتِ الٰہی اور دیدارِ ربُّ العزت کا راستہ اسرار سے بھرا ہوا راستہ ہے۔ رہبرِ کامل کے وسیلہ (بیعت) کے بغیر طے نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضور معلمِ کائنات حضرت رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے کہ عَنْ عَبْدُ اللّٰہِ بْنِ عُمَرُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلْعَمْ مَنْ مَاتَ وَلَیْسَ فِیْ عُنُقِہٖ بَیْعَۃٌ مَاتَ مَیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً وَ خَلَعَ یَدًا مِنْ طَاعَۃٍ لِقَی اللّٰہَ یَوْمَ لْقِیٰمَۃِ وَلَا حُجَّۃَ لَہٗ O (مشکواہ شریف صفحہ ۳۲ مجتبائی) یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ''حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا جو شخص مر گیا اور اُس کی گردن میں بیعت نہیں ہے تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اور جس نے اپنے ہاتھ اللہ کی اطاعت میں دیئے اللہ کے دیدار سے مُشرف ہوگا۔ اور قیامت کے دن کوئی حجت اُس کے پاس نہ ہوگی''۔

اِس حدیثِ شریف سے ثابت ہوا کہ پیر کامل کے ہاتھ پر بیعت' دیدارِ حق کے لئے پیر کامل کا وسیلہ اور قیامت کے دن بلا حُجت اُس کی نجات کا ذریعہ ہے۔ اگر چیکہ نجات کے لئے اُس کے پاس اور کوئی حجت نہ ہوگی۔ یہ سب کچھ پیر کامل کے وسیلہ کے بغیر ناممکن ہے۔

اگر کسی ناقص و رسمی پیر کے ہاتھ میں پھنس گیا تو دیدارِ حق سے محرومی و ناکامی کا سامنا ہوگا۔ دین بھی خراب اور دنیا بھی خراب ہوگی کہیں کا نہ رہیگا۔ اور مقصودِ حقیقی کا نشان بھی نہ پائیگا۔ نتیجۃً جاہلیت کی موت مرجائیگا۔

ف: حضور مکرم حضرت رسول اللہ صلعم ارشاد فرماتے ہیں کہ مَنْ لَّمْ یُدْرِکْ اِمَامَ زَمَانِہٖ فَقَدْ مَاتَ مَیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً O (صحیح مسلم) یعنی ''جس نے اپنے زمانہ کے امام کو ادراکِ قلبی سے دریافت نہیں کیا بے شک وہ کفار کی موت مریگا''۔

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اپنے زمانے کے امام کو یعنی جو پیر کامل ہے پورے طور پر ادراکِ قلبی سے

شناخت کر کے بیعت میں داخل ہوتا کہ عرفان ومعرفت کی راہ کھلے اور فلاح نصیب ہو یعنی اللہ کا دیدار حاصل ہو ورنہ معرفت الٰہی سے محروم ہو کر جاہلیت کی موت یعنی کفار کی موت مر جائیگا اللہ بچائے۔

پیر کامل کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے: اگر خدا کے فضل وکرم سے تمام صفات سے موصوف پیر کامل مل گیا تو سُبْحَانَ اللّٰہُ بِحَمْدِہٖ اُس کے ہاتھ کو خُدا کا ہاتھ جانے اور بیعت میں داخل ہو جائے۔ اور اُس کی اِطاعت وفرماں برداری میں بال برابر فرق نہ آنے دے یقیناً منزلِ مقصود کو پہونچ جائیگا۔

چنانچہ اِخصوص میں اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ○ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ ط وَ مَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْراً عَظِیْماً ○ (پارہ ۲۶ رکوع ۹) یعنی جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں بے شک وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔ پھر جو کوئی قول وقرار توڑے گویا اپنی جان کو توڑا۔ اور جس نے اللہ سے کیا ہوا اقرار وعہد پورا کیا وہ اجر عظیم پائیگا؟ یعنی پورے طور پر اپنے پیر کامل کی اِطاعت وفرماں برداری کرے تاکہ فلاح کو پہونچے۔

ف: اِس آیتہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ اِس حقیقت کو صاف طور پر اظہار فرما رہا ہے کہ اے محمد صلعم آپ سے جو لوگ بیعت کرتے ہیں وہ حقیقت میں بلا شک وشُبہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ بیعت کے لئے آپ کے ہاتھ میں جو ہاتھ دیتے ہیں اُن ہاتھوں پر آپ کا ہاتھ نہیں ہے بلکہ بلا شک وشبہ اللہ کا ہاتھ ہے۔

اِس حقیقت کی روشنی میں ثابت ہوتا ہے کہ بیعت ومریدی کے وقت پیر کامل جب مرید کو بیعت میں داخل کرتا ہے اور مرید کے ہاتھ پر یہ مشاہدہ خاص الخاص اپنا ہاتھ رکھتا ہے تو وہ ہاتھ ظاہر میں تو پیر کا ہاتھ ہوتا ہے۔ مگر حقیقت میں پیر کا ہاتھ نہیں ہوتا بلکہ بوسیلۂ مظہر ذات حضرت امامنا سیدنا مھدی موعود علیہ السلام وحضرت محمد رسول اللہ صلعم اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ پیر کامل کا ہاتھ حقیقت میں خدا کا ہاتھ ہے۔

پیر کامل کی توجہ تجلی ذات ہے: حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام نے حضرت بندگی میاں شاہ دلاور رضی اللہ عنہ کو جب مرید فرمایا تو حضرت شاہِ دلاور رضی اللہ عنہٗ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر ذکرِ خفی کی تلقین کے وقت پہلے دَ

م فرمایا ''مُریدُ اللہ شوید'' یعنی ''اللہ کا مُرید ہوجا'' یہ اشارہ مرتبہ لاتعین کی طرف ہے۔ گویا ''لا اِلٰہَ'' لاتعین شوید (لا تعین ہوجا) یعنی تمام تعینات چھوڑ کر لاتعین ہوجا۔

دوسرے دم میں فرمایا ''مُرادُ اللہ شوید'' یعنی ''اللہ کی مراد ہوجا'' یہ اشارہ مرتبہِ ولایت کی طرف ہے۔ جو تعینِ اول حقیقتِ محمدی صلعم ہے۔ مرتبہ ولایت سے مرتبہ ذات کی طرف عروج ہے۔ ذکرِ خفی کی اس تلقین کے ساتھ توجہ باطن فرمائی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ تمام تعینات جل کر خاک ہوگئے اور حضرت بندگی میاں شاہِ دلا ورضی اللہ عنہٗ بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ سات سال تک جذب و بے ہوشی کا عالم طاری رہا۔

ف: حضرت بندگی میاں شاہ خوندمیر صدیق ولایت رضی اللہ عنہ پر حضورِ مظہر ذات حضرت امامنا سیدنا مھدی موعود علیہ السلام نے آنکھ سے آنکھ ملتے ہی یعنی نظر ملتے ہے بہ توجہ خاص تجلی فرمائی تو تمام مقامات ومنازل کی سیر کرادی اور مرتبۂ ولایت یعنی حقیقت محمدی صلعم پر پہونچا کر دیدارِ ربُّ العزت سے سرفراز فرمادیا۔

تجلی ذات کا یہ اثر ہوا کہ بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ ہوش میں آنے کے بعد بے ساختہ کہا کہ ''پھوٹ جائیں بندے کی آنکھیں اگر میں نے مھدیؑ کو درمیاں میں دیکھا ہو۔ میں نے تو اپنے خدا کو دیکھا'' جس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ''خدا ہو سو خدا کو دیکھے'' سُبْحَانَ اللّٰہُ بِحَمْدِہٖ اس ارشاد کا مطلب یہی ہے کہ جب سارے تعینات ختم ہوجاتے ہیں تو حق کی تجلی ہوتی ہے۔ حق نمودار یعنی ظاہر ہوتا ہے۔ حق ہے۔

ف: جب حضور مظہر ذات حضرت امامنا سیدنا مھدی موعود علیہ السلام نے میاں حاجی مالیؒ کو مابئیت دَم سے واقف فرما کر ذِکرِ خفی کی تلقین کے ساتھ توجہ فرمائی تو حق کی تجلی کی تاب نہ لا سکے بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ اور اُسی بے ہوشی کے عالم میں وصال ہوگیا۔

ف: یہ ہے بیعت و ذِکر خفی کی تلقین اور توجہ کا اثر کہ تمام تعینات کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ جب تعینات ختم ہوجاتے ہیں تو حق ظاہر ہوتا ہے۔ اسی لئے حضور مظہر ذات حضرت امامنا سیدنا مھدی موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ''تصدیق بندہ بینائی خدا'' یعنی ''بندے کی تصدیق بینائی خدا ہے''۔

اس ارشاد کا یہی مطلب ہے کہ حضور مظہر ذات حضرت امامنا سیدنا مھدی موعود علیہ السلام کی تصدیق دیدارِ خدا کی

بینائی عطا کرتی ہے۔حق ہے۔اس فرمان کی روشنی میں یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ جس کو بینائی خدا نصیب ہے اُس کی تصدیق صحیح اور مکمل ہے اور جس کو بینائی خدا نصیب نہیں اُس کی تصدیق بھی صحیح نہیں۔

تصدیق کے اقسام: حضور مظہر ذات حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام کی تصدیق تین قسم کی ہے(۱) پہلی تصدیق عام ہے۔یعنی صرف قبولیتِ حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ صرف زبانی اقرار ہے۔اس زبانی اقرار سے ایمان حاصل نہیں ہوتا۔

جس طرح زبانی اقرار سے صرف اسلام حاصل ہوتا ہے ایمان حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے کہ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْ وَ لٰکِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ O (پارہ ۲۶ رکوع ۱۴) یعنی اعرابی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔تو اِن سے کہد وائے محمد صلعم، تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو کہ ہم مسلمان ہوئے اور ابھی تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا۔"

اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں یہی ثابت ہوا کہ تمہارا اقرار صرف زبانی ہے۔تصدیق کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ جس طرح رسمی کلمہ پڑھنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اُسی طرح رسمی تصدیق سے بھی کچھ حاصل نہیں ہے۔

(۲) دوسری تصدیق عمل ہے۔یعنی صرف احکام کی تعمیل کر لیتے ہیں۔نہ مرادِ تصدیق سے واقف، نہ مقصودِ تصدیق سے آگاہ نہ مرتبہِ تصدیق کا علم، صرف عمل کر دینے سے کام ہے مگر پہلی تصدیق سے دوسری تصدیق کا درجہ افضل ہے۔

(۳) تیسری تصدیق بینائی خدا ہے۔یہی تصدیق حقیقی تصدیق ہے۔جس کی تفہیم و تعلیم ہو جائے تو مقصود کو پہونچ جائے گا۔اسی کامل و مکمل تصدیق کی تعلیمات پیر کامل سے حاصل کرنا چاہیئے تا کہ مقصودِ یعنی بینائی خدا، دیدارِ الٰہی حاصل ہو۔

طریقہ بیعت اور اسکے اسرار: پیر کامل بیعت و مریدی کے وقت مرید کو اول کلمہ طیب پڑھا کر شرکِ جلی سے پاک کرتا ہے۔پھر صفتِ ایمان پڑھا کر ذات و صفات کا عرفان عطا کرتا ہے پھر تصدیق پڑھا کر شرکِ خفی سے

پاک ومنزہ کرتا ہے۔ دیدارِ حق کی بصیرت عطا کرتا ہے۔ پھر سلسلہ بیعت وعلاقہ پڑھاتا ہے۔اس کا مطلب و مقصد یہی ہے کہ مرید کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے سلسلہ کے پیرانِ کامل کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے بہ وسیلہ حضور مظہر ذات حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام اور حضور مقصود کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلعم اللہ کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ پھر ذکر خفی کی تعلیم اور تصورات واعتبارات کی تفہیم اور توجہ کے ساتھ مشاہدہ کی تعلیم دیتا ہے۔تاکہ مرید مشاہدہ کے ساتھ ذِکر اللہ میں مشغول ہوکر مقصود کو حاصل کرے۔

مشاہدہ کی تعلیم کے بغیر ذکر اللہ (ذکر خفی) کی تعلیم مکمل نہیں ہوتی یہی مشادہ مرید کا اصل وسیلہ ہے۔

فنا اور مشاہدہ کے مدارج: مشاہدہ کے تین درجہ ہیں۔ پہلا درجہ مشاہدہ عام ہے جو علمُ الیقین کی منزل ہے جس سے فنا فی الشیخ کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ دوسرا درجہ مشاہدہ خاص ہے جو عینُ الیقین کی منزل ہے جس سے فنَا فِی الرَّسُول کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ مرتبہ حقیقتِ محمدی صلعم ہے۔ تیسرا درجہ مشاہدۂ خاصل الخاص ہے جو حَقُّ الیقین کی منزل ہے۔جس سے فنَا فی اللہ کا درجہ حاصل ہوتا ہے یہ مرتبہ ذات ہے۔سَالِک یعنی مُرید کو درجہ بدرجہ اِن تینوں مشاہدوں کی تکمیل کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے ان تینوں درجے کے مشاہدوں کی تعلیم وتفہیم پیر کامل سے حاصل کرنا چاہئیے تاکہ فَنَاً کے تینوں درجے حاصل ہوکر بَاقی بِاللہ کا مرتبہ حاصل ہو۔

سلسلہ مرشدِی اور صحبت وسند: اُصولِ بیعت وطریقت کے تحت جو مرشدی سلسلے برابر صحبت وسند کے ساتھ حُضور مظہر ذات حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام تک مسلسل پہونچتے ہیں۔آج بھی وہی اثر وکیف رکھتے ہیں۔کیونکہ اُن کی بیعت وفقیری کے ہاتھ برابر اور مسلسل اپنے پیرانِ کامل کے ہاتھوں کے وسیلے سے حضور مظہرِ ذات حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام تک پہونچتے ہیں۔اس طرح آج بھی اُن کا ہاتھ گویا اللہ ہی کا ہاتھ ہے۔اور وہ ذکرِ خفی اور مشاہدہ خاص الخاص کی تعلیمات کے حامل ہیں کیونکہ اُنہیں یہ فیضان الٰہی دست بدست، سینہ بہ سینہ پہونچا ہے۔

ف: مرشدی کے لئے اپنے پیر کی آخر دم تک صحبت فرض ہے اس کے بعد پیر کی سند اور اجازت لازمی شرط ہے۔جس کے بغیر مرشدی صحیح نہیں ہوتی۔اور ایسا بے صحبت وبے سند کا فقیر مرشدی کے قابل نہیں ہوتا۔ایسے ہی

پیروں کو پیر ناقص یا پیر رسمی کہتے ہیں۔

غرض جن مرشدی سلسلوں کی بیعت وفقیری صحبت وسند کے ساتھ حضور مظہر ذات حضرت امام نا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام تک نہیں پہونچتی بلکہ درمیان سے ٹوٹ جاتی ہے یا بے صحبت و بے سند ہوجاتی ہے۔اُنہیں مشاہدہ خاص الخاص کی تعلیم اور ذکرِ خفی کے حقیقی اعتبارات وتصورات کی تعلیم وتفہیم حاصل نہیں رہتی۔جس کی وجہ وہ بیعت و مریدی کے وقت رسمی وعادتی طریقہ پر مرید کر لیتے ہیں۔جس کا نتیجہ صرف ایک رسم ادا کر دینے کے سوا کچھ بھی نہیں۔مرید کے دل میں نہ طلبِ حق پیدا ہوتی ہے نہ مقصود کو پاتا ہے۔بلکہ بے علمی اور جاہلیت کی موت مرجاتا ہے۔اللہ بچائے۔

بچپن کی بیعت ومریدی: جولوگ اپنی اولاد کو بچپن میں مرید کرادیتے ہیں۔اُن کا یہ عمل بالکل غلط ہے۔ اور ایسی بچپن کی بیعت بے کار ہے۔کیونکہ انہیں نہ اپنا سلسلہ بیعت یاد رہتا ہے اور نہ ذِکرِ خفی کی تعلیمات کے اعتبارات وتصورات ذہن میں محفوظ رہتے ہیں۔اور نہ مشاہدہ کی کیفیت وتعلیم یاد رہتی ہے۔یہ تعلیمات جو بیعت کی جان اور روح ہیں وہ ہی باقی نہیں تو بیعت ومریدی کہاں باقی رہ سکتی ہے سب بے کار اور بے سود ہوکر رہ جاتی ہے۔ اس لئے ایسے طالبانِ حق جو بچپن میں مُرید ہوئے ہیں اور جنہیں اِن تعلیمات کی معلومات نہیں ہیں اُن کا فرض ہے کہ اللہ کی طلب اور دیدارِ الٰہی کے حاصل کرنے کے لئے دوبارہ بیعت کی تجدید کرلیں۔ورنہ دنیا سے گمراہ جائینگے بچپن اور بے علمی کی بیعت ومریدی جوایک رسم کی حیثیت رکھتی ہے اُن کے کچھ کام نہ آئیگی۔

مُریدوں کے فرایض وآداب

انسان کا یہ وجودِ عنصری (یعنی مٹی، پانی، آگ اور ہوا سے بنا ہوا پُتلہ) جس میں روح قدسی جلوہ گر ہے۔رحمت کے نزول کا باعث اور فیضانِ الٰہی کے حاصل کرنے کا موجب اور مراتبِ عالیہ کے حصول کا سبب ہے۔

اگر یہ وجودِ عنصُری نہ ہوتا تو کوئی شخص مرتبہ نبوت ورِسالت اور ولایت کو نہ پہونچتا۔اس جَسدِ عُنصُری

میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عجیب وغریب حکمتِ بالغہ کا اظہار فرمایا ہے۔جس کے سمجھنے سے انسانی عقل حیران و پریشان ہے۔

ایک دوسرے کے چند عناصر کو ایک جگہ جمع کر کے ان میں اتحاد و یگانگت پیدا فرما کر ان میں حواسِ مختلفہ اور حواسِ مختلفہ میں لذّت وکیف کو پیدا فرمایا۔

یہ وجودِ عنصری ایک عالمِ کُبریٰ ہے۔اور خلاصۂ کائنات اور مقصودِ ربُّ العالمین ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس وجود کو تنِ خاکی اور رُوحِ ذاتی عنایت فرمایا۔اور تنِ خاکی و روحِ ذاتی کے اِتصال و اِختلاط سے قلبؔ مدارجِ کمالات کے ساتھ ظہور میں آیا۔اسی قلب میں جملہ قابلیت عطا کی گئی ہے۔جس میں پہلی کیفیت نفسِ امارہ کی ہے۔جس کی وجہ انسان حواس کی لذتوں اور خواہشات حیوانی وشہوانی میں مبتلا رہتا ہے۔

اگر کوئی طالبِ حق اِس قیدِ جسمانی اور نفسِ اَمّارہ سے چھٹکارا پانا چاہے اور مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ کے راز سے آگاہی اور منزل اَسْفَلُ السَّافِلِیْنَ سے ذاتِ حق سُبْحَانَہٗ تَعَالٰی کی طرف عُروج کرنا چاہے تو پیر کامل کے وسیلے سے عروج حاصل کرسکتا ہے۔یعنی پیر کامل کے ارشاد کے مطابق ذِکرُ اللہ اور مشاہدہ میں مشغول رہ کر نفسِ اَمارہ اور قیدِ ہستی سے نجات حاصل کر کے مقصود و مطلوب یعنی ذاتِ الٰہی کو پہونچ سکتا ہے۔لہذا پیر کامل کے ہاتھ پر بیعت لازمی اور فرض ہے۔

ف: اللہ کے فضل وکرم سے جب پیر کامل مل گیا اور اُس کے ہاتھ پر بیعت کر کے طالب مولیٰ بن گیا تو مرید پر چند احکام عائد ہوتے ہیں۔جن پر عمل کرنا مرید کے لئے لازم ہے تاکہ سلوک وعرفان کے منازل طے کرنے میں آسانی ہو۔

محبت پیر کامل: سب سے اول مرید یعنی طالب مولیٰ پر فرض ہے کہ اپنے دل میں پیر کی کامل محبت پیدا کرے یعنی اپنا مال واسباب، بیوی بچے اور ماں باپ کی محبت کو پیر ومرشد کی محبت پر قربان کردے اور پیر کی محبت کو اس درجہ کمال پر پہونچائے کہ عشق حقیقی کی منزل حاصل ہوجائے اور ہر جگہ پیر کا جلوہ نظر آنے لگے۔

ف: اپنے پیر کے مقابل کسی دوسرے پیر کا مقام اُس کی نگاہ میں نہ آنے پائے۔البتہ دُنیاوی اعتبار سے

ادب واحترام کرسکتا ہے۔

ایثار وقربانی: مرید کو چاہئے کہ اپنا مال واسباب، بیوی بچے حتیٰ کہ اپنا جسم اور اپنی جان سب کچھ پیر پر نثار کردے تاوقتیکہ ایسا ایثار نہ کرے دُنیا کی محبت کا خاتمہ نہ ہوگا اور جب تک دنیا کی محبت کا خاتمہ نہ ہوگا حق کو نہ پا سکیگا۔

آدابِ واحترام: مُرید کو چاہئے کہ پیر کے سامنے اپنی آنکھیں نیچی کئے ہوئے ادب کے ساتھ دوزانو بیٹھے بات بھی ادب کے ساتھ دھیمی آواز میں کرے۔ جو کچھ پوچھے ادب واحترام کے ساتھ پوچھے۔ کبھی ذرہ برابر بھی بے ادبی نہ ہونے پائے۔ چنانچہ حضور معلمِ کائینات حضرت رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے کہ اَلدِّیْنُ کُلُّہٗ اَدَبٌ یعنی دین سراپا ادب ہے۔ بے ادب مریدوں کو کچھ فیضان نہیں ملتا۔

ف: پیر کے غیاب میں بصورتِ مراقبہ ہر وقت حاضر وموجود سمجھے گویا پیر کی حضوری میں ہے۔

اطاعت وفرماں برداری: مرید پر فرض ہے کہ ہر حال میں پیر کا اطاعت گُزار اور فرماں بردار رہے۔ اور اُس پر کامل بھروسہ رکھے۔ ذرہ برابر بھی اپنے دل میں پیر کی طرف سے کسی قسم کا وسوسہ نہ آنے دے۔ جیسا کہ آندھا اپنی لاٹھی یا ہاتھ پکڑنے والے کا ہر اَمر میں تابع رہتا ہے اور کامل بھروسہ رکھتا ہے اور ذرہ برابر فرق نہیں آنے دیتا۔ محققین نے ایک اور مثال دی ہے کہ کَالْمَیِّتِ بِیَدِ الْغَسَّالِ یعنی ''جس طرح میت غَسَّال کے ہاتھ میں رہتی ہے۔'' اُسی طرح مُرید کو مرشد کے اختیار میں رہنا چاہئیے۔

پیر کا حکم اللہ کا حکم ہے:۔ پیر کے حکم کو اللہ کا حکم جان کر اُسکا اتباع فرض ہے بہ یقین دل سمجھنا چاہئیے۔ کیونکہ اس مقام پر پیر حضور فخرِ موجودات مقصودِ کائینات حضرت رسول اللہ صلعم کی منزل میں ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے کہ وَمَنْ یُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (پارہ ۵ رکوع) یعنی ''جس نے رسول صلعم کی اطاعت وفرماں برداری کی، پس بے شک اللہ ہی کی اِطاعت کی''۔

اس ارشادِ ربُّ العزت سے ثابت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلعم کی اِطاعت وفرماں برداری یقیناً بلا شک وشبہ اللہ ہی کی اِطاعت وفرماں برداری ہے۔

اسی طرح پیر کی اِطاعت وفرماں برداری عین حضرت رسول اللہ صلعم ہی کی اِطاعت وفرماں برداری ہے۔ کیونکہ پیرِ کامل فَنَا فِی الرَّسُوْل کی منزل کا حامل ہے۔

ف: اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَجَعَلْنَا هُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا (پارہ ۱۷ رکوع ۵) یعنی ''اور ہم نے اُن کو امام کیا ہے اور ہمارے حُکم کی ہدایت کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ثابت ہے کہ اللہ جَلَ شَانَہٗ نے پیرانِ کامل کو اپنی طرف سے امام بنایا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے حُکم یعنی طلبِ حق، عرفان حق اور واصل بحق ہونے کی ہدایت کرتے ہیں، راہ نمائی کرتے ہیں اور ہدایت یافتہ بناتے ہیں۔ اس آیتِ کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ پیرِ کامل کا حکم اللہ کا حکم ہے۔

پیر کا باطن آئینہ خدا ہے: مُرید کو چاہیئے کہ ہمیشہ پیر کے باطن میں خدا کو دیکھے۔ کیونکہ پیر کی ذات آئینہ خدا ہے۔ چنانچہ صاف ارشاد ہے کہ اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰةُ الْمُؤْمِنِ O یعنی ''مومن کا آئینہ مومن ہے''۔ اللہ تعالیٰ کے نو دپر نو نام ہیں اَلْمُؤْمِنُ بھی ایک نام ہے پیرِ کامل بھی مومنِ کامل ہے۔ اِس لحاظ سے پیرِ کامل کی ذات ایک آئینہ ہے۔ اس آئینہ میں ذاتِ حق جلوہ گر ہے۔

ف: اس کے عاوہ ارشاد فرمایا گیا کہ قَلْبُ الْاِنْسَانِ مِرْأَةُ الرَّحْمٰنِ O یعنی ''انسان کا قلب آئینہ رحمٰن ہے''۔

یہاں انسان سے مراد پیرِ کامل کی ذات ہے۔ اس ارشاد سے ثابت ہوا کہ پیرِ کامل کا باطن آئینہ خدا ہے۔

ف: اس کے علاوہ ارشاد فرمایا کہ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى O (پارہ ۱۶ رکوع ۱۰) یعنی ''مومن کا دل اللہ تعالیٰ کا عرش ہے اور اِعرش پر اللہ تعالیٰ مُستوی ہے۔''

اِس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے جب عام مومن کے دل کو عرش فرمایا۔ اور اس عرش پر اپنی موجودگی کو ظاہر فرمایا تو

پیر کامل جو مومنِ کامل ہے۔ اُس کا دل بدرجہ اُولیٰ عرش ہوا۔ اور اِس عرش پر یقیناً و ایماناً ذاتِ حق جلوہ گر ہے۔ لہٰذا بالکلیہ ثابت ہوا کہ پیرِ کامل کا باطن آئینہ خدا ہے۔

نورِ مطلق مُتجلّی بہ جمالِ رُخِ تو ۔۔۔ کافر است آں کہ کُند منع پرستیدن تو

یعنی ''اے پیر کامل آپ کے چہرہِ انور سے ذاتِ مطلق کا نور تجلی کر رہا ہے یعنی ظاہر ہو رہا ہے۔ ایسی حالت میں آپ کی پَرستِش سے جو مجھے منع کرتا ہے۔ دراصل وہی کافر ہے''۔ اور حضرت امیر خُسروؒ خلیفہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمتُ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

خلق می گویُد کہ خسرو بت پرستی میکند ۔۔۔ آرے آرے می کُنم با خلق و عالم کار نیست

یعنی ''مخلوق کہتی ہے کہ خُسرو بت پرستی (پیر پرستی) کرتا ہے ہاں، ہاں میں بُت پرستی (پیر پرستی) کرتا ہوں۔ مگر مخلوق اور دُنیا کو اِس سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں ہے''۔

کیونکہ مخلوق حق پرستی اور بُت پرستی کی حقیقت کو نہیں جانتی جب کہ تمام موجوداتِ عالم میں حق ہی جلوہ گر ہے اور ذاتِ حق کے سوا کوئی موجود اصلی و حقیقی نہیں تو غیر حق کا وجود کہاں جو بت پرستی ہو۔

ف: چنانچہ حضرت رسول اللہ صلعم ارشاد فرماتے ہیں کہ ''قسم ہے مجھ کو اُس خدا کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے اگر تم سب سے نیچے کی زمین پر رَسی ڈالو تو البتہ اللہ تعالیٰ پڑے گی۔ پھر آپ صلعم نے یہ آیتِ شریف پڑھی ''هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْم'' O یعنی ''وہی اول ہے اور وہی آخر ہے اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے اور وہ سب چیز کو جانتا ہے''۔ اِس آیتِ کریمہ کے سلسلہ میں علماءِ محققینِ مہدویہ کا ارشاد ہے کہ هُوَ الْاَوَّلُ سے مراد ذاتِ الٰہی ہے اور هُوَ الْاٰخِرُ سے مراد انسان ہے۔ اور هُوَ الظَّاهِرُ سے مراد اعیانِ خارجیہ یعنی اجسام ہیں۔ اور هُوَ الْبَاطِنُ سے مراد اعیانِ عِلمیہ یعنی ارواح و اَمثال ہیں۔ اس ارشاد سے ہر حقیقت سامنے آ گئی کہ سب کچھ وہی ہے اور اس تشریح سے انسان کا مرتبہ کیا ہے معلوم ہو رہا ہے۔

ف: واضح رہے کہ یہاں صرف انسان کہا گیا ہے۔ جب انسان اپنے کمال پر پہونچے اور پیرِ کامل کا مرتبہ و

مقام حاصل کرلے تو غور کیجئے کہ اُس کی شان کیا ہوگی؟ اُس کے باطن میں خدا نہیں تو اور کیا ہوگا؟ اور اُس کی ذات آئینۂ خدا نہیں تو اور کیا ہوگی؟

ف: جب طالبِ حق مرتبۂ کمال پر پہونچ جاتا ہے تو اُس کی نظر اشیاء پر نہیں پڑتی بلکہ ذاتِ حق پر پڑتی ہے چنانچہ سلطان العارفین والمحققین حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ مَا رَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَأَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ ○ یعنی ''میں نے نہیں دیکھا کسی شئے کو مگر یہ کہ میں نے دیکھا اُس میں اللہ کو''۔ یعنی میں نے ہر شئے میں اللہ کو دیکھا۔ جس کا مطلب صاف طور پر یہی ہے کہ اشیاء کی حقیقت ذاتِ حق کے سوا کچھ نہیں۔ جب ہر شئے کی حقیقت ذاتِ حق ہے اور ہر شئے میں خدا نظر آرہا ہے تو پیرِ کامل کے باطن میں بدرجۂ کمال خدا نظر آنا چاہئے۔ لہٰذا اِس ارشاد سے ثابت ہوا کہ پیرِ کامل کا باطن آئینۂ خدا ہے۔

ف: اسی حقیقت کو حضور مظہر ذاتِ حضرت امام ما سیدنا مہدی موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ''ہر کس خدائے را می بیند اَمّا نمی شناسد'' یعنی ''ہر شخص خدا کو دیکھتا ہے مگر پہچانتا نہیں''۔ اس فرمان حقیقت نشان سے ثابت ہوا کہ اللہ کی ذات اس طرح علانیہ ظاہر اور جلوہ گر ہے۔ مگر پہچان وعرفان نہ ہونے کی وجہ پہچانتا نہیں۔ اس پہچان وعرفان کے لئے پیرِ کامل کی ذات وسیلہ ہے۔ جب ہر شخص خدا کو دیکھ سکتا ہے تو طالبِ صادق جس نے بیعت کرکے پیرِ کامل کو وسیلہ حاصل کرلیا ہے یقیناً خدا کو دیکھنا چاہئے اور ضرور دیکھتا ہے۔ حق ہے۔

پیر کامل کی حقیقت: مُرید کے لئے حقیقت میں پیر کامل کی ذات ہی سب کچھ ہے۔ چنانچہ حضرت مولائے رومؒ فرماتے ہیں کہ

چونکہ ذاتِ پیر را کردی قبول ہم خدا اور ذاتش آمد ہم رسولؐ

یعنی ''جب تو نے پیر کی ذات کو قبول کرلیا تو اُس کی ذات میں خدا اور رسول (صلعم) دونوں موجود ہیں۔'' یعنی پیر کی ذات خدا اور رسول صلعم دونوں کی جلوہ گاہ ہے۔ اس لئے مرید کو چاہئے کہ پیر کی صورت اور اُس کے عبادات کو نہ دیکھے بلکہ دل کی بصیرت سے اُس کے علم ومعرفت وحقیقت کو دیکھے۔ جس طرح صحابہ کرامؓ حضرت رسول اللہ صلعم کو دیکھا کرتے تھے۔ اور اس طرح ہرگز نہ دیکھے جیسے ابوجہل وابولہب دیکھتے تھے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ صورت

حجاب (پردہ) ہے اور حقیقت بے حجابی۔ اس لئے صورت کو چھوڑ کر حقیقت کی طرف چلنا چاہیئے۔

مُرید کے حالات: مرید کو چاہیئے کہ اپنے تمام حالات پیر کی خدمت میں عرض کرتا رہے تا کہ پیر اُس کی تربیت وتعلیم میں توجہ کرے اور ہر خطرے و گمراہی سے بچائے۔ پیر کے سوا کسی بھی اپنے حالات بیان نہ کرے بلکہ اپنی کیفیت و ترقی کو ہر ایک سے چھپائے۔

ف: مُرید پر لازم ہے کہ پیر سے ہر وقت طالبِ حقیقت رہے۔

ف: مرید جب بھی پیر کے سامنے آئے تو خلوصِ دل کے ساتھ اپنے کو پیر کے قدموں میں ڈال دے یعنی قدم بوسی کا شرف حاصل کرے اور جب بھی پیر سے رخصت ہو پیر کی اجازت لے کر قدم بوسی کر کے رخصت ہو۔ پیر کی قدم بوسی، دست بوسی، دامن بوسی بلکہ پیر کا طواف کرنا آئین طریقت ہے۔

منزلِ طریقت: جب مرید اپنے پیر کامل کے حکم کے مطابق اِتباعِ شریعتِ حقہ سے اپنے ظاہر کو آراستہ کر لیتا ہے تو اُس کی دوسری منزل طریقت ہے۔

ف: اس منزلِ طریقت میں مرید کو اپنے باطن کا تصفیہ کرنا واجب ہوتا ہے۔ جس کو تصفیہ قلب کہتے ہیں۔ یعنی دل کو غیر اللہ کے وہم وخیال سے پاک کرنا۔ اگر دل غیر اللہ کے وہم وخیال سے پاک ہے تو محبوب ورنہ مردود ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے کہ لَا یَنفَعُ مَال" وَلَا بُنفوُن" اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبِ سَلِیْم O (پارہ ۱۹ رکوع ۹) یعنی "جس دن نہ مال نفع دیگا اور نہ بیٹے نفع دینگے۔ مگر جو کوئی اللہ کے پاس قلب سلامت لائے" یعنی تصفیہ قلب کے ساتھ آئے۔ اِس کا یہی مطلب ہے کہ قلب کو جملہ خطرات و وَسَاوِس اور وہم باطل سے پاک صاف رکھ کر جس طرح لائے تھے ویسے ہی سلامت لے جائے۔

ف: اس کے علاوہ ارشاد ہوتا ہے کہ وَاِنَّ مِنْ شِیْعَتِہٖ لَاِبْرٰھِیْم" اِذْ جَآءَ رَبَّہٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍO (پارہ ۲۲ رکوع ۷) یعنی "اور بے شک ابراہیمؑ اُس کی اطاعت کرنے والوں میں سے تھے۔ جس وقت اپنے رب کے پاس آئے تو قلب سلامت کے ساتھ آئے"۔ یعنی کامل توحید پرست بن کر آئے اسی طرح مرید کو چاہیئے کہ تصفیہِ قلب کر کے قلبِ سلیم کے ساتھ اپنے اللہ کے پاس جائے۔ اس قلبِ سلیم میں اطمینان کی قابلیت رکھی گئی ہے۔ جس کا نام

نفسِ مطمَینہ ہے۔

عرفان کی منزلیں: جب مرید یعنی طالب صادق عرفان کی منزلوں میں ذکر اللہ ومشاہدات ومراقبات میں مشغول ہوتا ہے تو اس کو اس راہ میں چار کفر پیش آتے ہیں۔ایک تو انکشاف سے پہلے آتا ہے۔اور تین انکشاف کے بعد آتے ہیں۔

ف: جو انکشاف سے پہلے آتا ہے وہ کفر شرعی ہے یعنی اللہ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک کرنا۔اور فرائض نبوت وولایت سے انکار کرنا۔جیسے کفار ومشرکین ہیں۔اور اپنی اَنانیت کو ذاتِ حق کے سامنے قائم رکھنا جیسے اِبلیس لعین ہے۔اور انکشاف کے بعد جو کفر پیش آتے ہیں وہ یہ ہیں۔کفرِ نفسی ' کُفرِ قلبی اور کفرِ رُوحی۔

ف: کفرِ نفسی وہ ہے کہ اس راہ میں طالب صادق کو پہلے نورِ نفس کا انکشاف ہوتا ہے۔اُس کو خدا نہ سمجھے ۔جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''پس جب اُس کو رات نے ڈھانپ لیا تو ایک تارہ دیکھا (یعنی نورِ نفس) کہا یہ میرا رب ہے۔جب وہ چھپ گیا تو کہا کہ میں چھپ جانے والے کو دوست نہیں رکھتا''۔ یعنی جب اُس مرتبہ سے ترقی پائی اور نورِ نفس فنا ہوا تو کہا کہ میں فانی کو دوست نہیں رکھتا۔

ف: کفرِ قلبی وہ ہے کہ نورِ نفس فنا ہونے کے بعد نورِ قلب کا انکشاف ہوتا ہے۔اُس کو بھی خدا نہ سمجھے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''پھر جب چاند کو روشن دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے'' یعنی جب نورِ نفس سے ترقی پا کر نورِ قلب نمودار ہوا۔(نورِ قلب کی روشنی چودہویں رات کے چاند کی روشنی کے مانند ہوتی ہے) تو کہا کہ یہی میرا مطلوب رب ہے۔''پھر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا'' میرا پروردگار اگر مجھ کو ہدایت نہ کرے گا تو البتہ میں گمراہوں کی قوم سے ہو جاؤنگا''۔ یعنی جب نورِ قلب ترقی کر کے فنا ہوا تو گھبرا کر کہنے لگے کہ خدا بچائے ایسا نہ ہو کہ گمراہ ہو جاؤں۔

ف: کفرِ روحی وہ ہے کہ جب نورِ قلب نے ترقی کی تو نورِ روح کا انکشاف ہوتا ہے اُس کو بھی خدا نہ سمجھے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے۔یہ سب سے بڑا ہے''۔یعنی جب نورِ قلب سے ترقی پائی تو نورِ روح کا انکشاف ہوا تو کہنے لگے

کہ بس یہی میرا پروردگار ہے۔سب سے بڑا روشنی والا۔(نورِ روح شمس (سورج) کے مانند روشن اور منور ہے) پھر جب ڈوب گیا تو کہا کہ اَے میری قوم میں تم مشرکین کے ہمراہ نہیں ہوں''۔یعنی جب نورِ روح سے ترقی پائی اور نورِ حق سُبحانہ تعالیٰ بے کیف ظاہر ہوا۔یعنی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مقامِ معرفت حقیقتِ محمدی صلعم میں پہونچے تو نفسِ مُلہِمَہ نے اِلہام کیا تو کہا کہ اِنِّـی وَجَّهْـتُ وَجْهِـیَ لِلَّذِیْ فَطَـرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرضِ حَنِیْفاً وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ O یعنی میں نے مَوَحِدُ (خالص توحید کا ماننے والا) ہوکر اپنے منہ کو اس کی طرف متوجہ کیا۔جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔اور میں مشرکین سے نہیں ہوں''۔

ف: طالبانِ حق کے سمجھنے کے لئے اِن مقامات کو واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں تا کہ عرفان کی منزلوں کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔جو کلام مرتبہ نور میں ہے اُس کو راز کہتے ہیں۔اور جو کلام دل میں آتا ہے اُس کو اِشارہ' اور جو کلام نفس میں گذرتا ہے اُس کو بشارت' اور جب گوش جسمانی میں پہونچتا ہے اُس کو ہاتف کہتے ہیں۔ اِس تشریح کا مطلب یہ ہے کہ روحِ قدسی جو عارِفُ الْوَجُود کے تنِ نورانی سے متعلق ہے۔یہی قابل کلام الٰہی اور لائقِ مشاہدہ ذاتِ حق ہے۔ اگر چہ کہ تنِ نورانی و روح قدسی دو نام ہیں۔لیکن حقیقت میں ایک ہی ذات ہے جیسے شمش و شعاعِ شمش۔

اَرْ وَاحُنَا اَجْسَادُنَا کا اشارہ اسی مرتبہ کی طرف ہے۔

ف: روح قدسی کا مشاہدہ اُس وقتِ مُتحقِق ہوتا ہے کہ جب قلبِ شہید (گواہی دینے والا قلب) ''جو تنِ نورانی و روح قدسی کے ارتباط و اتحاد سے ظہور میں آیا ہے''۔گواہی دے اور اعتراف کرے۔ نفسِ مُلْہِمَہ' قلبِ شہید کی قابلیت کا نام ہے۔اُس کو اللہ تعالیٰ نے ایک فہم (عقل' سمجھ) عطا فرمائی ہے جس کا نام فہمِ آگاہ ہے۔رَفعِ شک و تَرَدَّدُ اِس کی خاصیت ہے۔یعنی کلام' رُویت' معرفت اور الہام وغیرہ نفس مُلْہِمَہ کو حاصل ہوتا ہے۔فہم آگاہ اُس کا شک و تَرَدُد رفع کر دیتی ہے اور ایسی تحقیق کرتی ہے کہ سالک کو پھر کسی طرح کا شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مقامِ معرفت' حقیقتِ محمدی صلعم یعنی عارف الوجود میں پہونچے تو نفسِ مُلْہِمَہ نے

تحقیق و تنقیح کے بعد کہا کہ

اِنِّی وَجَّهتُ وَجهِیَ الخ O یعنی میں مَوحِدْ ہوں مشرکین سے نہیں ہوں ۔مَاشَاءَاللہ۔

ف: پس سالک یعنی طالبِ صادق پر لازم ہے کہ فہمِ آگاہ کو مرتبہ کلام' رُویت' معرفت اور الہام وغیرہ پر پورا متوجہ رکھے تاکہ جو کچھ غیب سے ظہور میں آئے اُس کو مرتبہِ آگاہی تک پہونچادے۔ یہ مرتبہ آگاہی' مرتبۂ توحید ذاتی ہے۔ جب سالک کا تحقُق مرتبہ آگاہی میں پہونچ جاتا ہے تو اُس پر توحیدِ ذاتی کھل جاتی ہے۔توحید ذاتی کا تعلق مرتبہ جمال سے ہے۔ چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تحقق مرتبہ آگاہی میں پہونچا تو آپ پر توحیدِ ذاتی کھل گئی۔اور آپ کی ذات پر ذاتِ حق نے اِحاطہ کرلیا تو بے اختیار فرمانے لگے کہ ''میں مَوحِدْ ہوں یعنی توحید پرست ہوں اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں'' پس مرید صادق کو بھی لازم ہے کہ اپنے پیر کامل کی دستگیری سے تمام وساوس اور وہم باطل کی نفی کرتا ہوا مرتبہ آگاہی سے گذر کر مرتبہِ توحید ذاتی میں پہونچے اور توحید پرست بنے۔

ف: یہاں یہ حقیقت بھی ظاہر کردوں کہ ''ایمان کی منزل کفر کے بعد ہے''۔ جب تک طالب کفر سے نہیں گذرتا مومنِ کامل نہیں بنتا۔ بلکہ یوں کہوں تو اور اچھا ہوگا کہ کفر و ایمان دو مقام ہیں۔اور یہ دونوں مقام بھی اللہ اور بندے کے درمیان حجاب ہیں۔ طالب صادق پر فرض ہے کہ ان دونوں مقامات سے گذر کر بقا باِللہ کا مرتبہ حاصل کرے۔

عاشقِ دیرینہ ام نے مومنم نے کافرم

من زِاَوجِ کُفر و ایماں بَرتَرم بالا ترم

ترجمہ:۔ میں قدیم یعنی روزِ ازل کا عاشق ہوں۔ نہ مومن ہوں نہ کافر ہوں۔ میں کفر و ایمان کے درجوں اور بلندیوں سے برتر اور بالاتر ہوں''

حضور سرورِ کائینات حضرت رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ اَلْعِشْقُ هُوَ اللّٰه O یعنی ''عشق ہی اللہ ہے'' جب ذات کے عاشق ہوگئے' کفر و ایمان کی منزلوں سے آگے مقام ہوگیا۔عاشق ہونے کے لئے معشوق کا عرفان

لازمی ہے۔ جب تک عرفان نہ ہو عشق ومحبت پیدا ہی نہیں ہوسکتی۔اسی لئے ذات کا عرفان حاصل کرنا چاہئیے ۔ تا کہ عشق ومحبت جلوہ گر ہو جائے۔جس کی پہلی منزل پیرِ کامل کی ذات ہے۔

ف: جاننا چاہئیے کہ معشوق منزل ھَاھُوت میں ہے یعنی ذاتِ بحت ۔اور عاشق منزل لاھُوت میں ۔اور عارف منزلِ جبروت میں۔اور واصف (یعنی تعریف کرنے والا) منزل ملکوت میں اور واقفِ منزل ناسوت میں ہے یہ نزول کی منزلیں ہیں۔

جب مرید یعنی طالب صادق طلب کی منزل میں اپنے معشوق سے واقف ہوتا ہے تو اس کی منزل ناسوت رہتی ہے۔ جب اپنی طلب بڑھا کر واقفیت سے بڑھ کر معشوق کا علم والیقین حاصل کر کے تعریف و توصیف کرنے لگتا ہے تو اس کی منزل ملکوت ہو جاتی ہے۔ جب تعریف وتوصیف کی منزل سے ترقی کر کے اپنے معشوق کا عرفان حاصل کر لیتا ہے تو منزلِ جبروت میں جاتا ہے۔یہی عرفان جب تکمیل کو پہونچ جاتا ہے تو عین الیقین کی منزل آتی ہے۔اور عشق نمودار ہو کر عاشق بنا دیتا ہے۔اب اس کی منزل لاھوت ہو جاتی ہے۔ جب عشق درجہ کمال پر پہونچ جاتا ہے تو عاشق کو ذاتِ معشوق میں فنا کر دیتا ہے۔اب سوائے معشوق کے کچھ باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ بہ زبانِ حضرت رسول اللہ صلعم ارشاد فرماتا ہے کہ کُنۡتُ کَنۡزاً مَخۡفِیاً سے مرادمنزلِ ھاھُوت ہے۔اور فَاَحۡبَبۡتُ سے مرادمنزل لاھوت ہے۔اوراَن اُعۡرِفَ سے مرادمنزل جبروت ہے اور فَخَلَقۡتُ الۡخَلۡقَ سے مرادمنزلِ مَلَکُوت ومنزلِ ناسُوت ہے۔

علامات منازل سالک

طالب صادق (مرید) کن علامات سے سمجھے کہ میں کون سے مرتبہ میں آ گیا ہوں۔ وَاحِدُ الۡوَجُودنُقۡطَۂ ذات ہے۔ جس کا بیان ناممکن ہے۔مگر علماءِ محققین نے سمجھانے کی خاطر اس نقطۂ ذات کو آٹھ نام دئے ہیں۔

(۱) وَاحِدُ الۡوَجُوۡدۡ (۲) مرتبہ خفی (۳) مرتبہ توحیدِ ذاتی (۴) مرتبہ قُرۡبۡ (۵) مرتبہ نور (۶) مرتبہ فَرَاء الۡوراَء (۷) مرتبہ اَحَدۡ (۸) مرتبہ لا اَیۡنَ

(۱) جو مرتبہ واحدالوجود میں پہونچا وہ خدا کو پہچانا۔اس مرتبہ میں ذات واحدُ الوَجود کے سوا کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ

حضورِ مکرم حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ: کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَعَہٗ شَئِیٌ غَیْرَہٗ O ۔یعنی اللہ تھا اور اس کے سوا کوئی شئے نہیں تھی‘‘ اور فرمایا کہ مَنْ رَانِی فَقَدْ رَائِی الْحَق O اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) جو مرتبہ خفی میں گیا وہ اپنی ذات کو ذاتِ حق میں نفی دیکھتا ہے۔ اور حقایقِ ذات الٰہی میں ایسا فنا ہو جاتا ہے کہ نہ عبد رہتا ہے نہ معبود۔ چنانچہ ذکرِ خفی اِلا اللہ تُوں ہے لا اِلٰہ ہوں نیں‘‘ کا یہی مرتبہ ہے۔

(۳) جو کوئی مرتبۂ توحید میں آتا ہے وہ جملہ اشیاءِ عالم میں ذات حق کو دیکھتا ہے۔ چنانچہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہٗ فرماتے ہیں کہ مَا رَأَیْتُ شَیْأً اِلَّا رَأَیْتُ اللّٰہِ فِیْہِ O یعنی ہر شئے میں میں نے خدا کو دیکھا‘‘ ۔اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے اور یہی مرتبۂ توحید ہے۔

(۴) جس میں عظمت وجلال، کمال وقدرت پیدا ہوگئی وہ مرتبۂ قُرب میں پہونچا۔ چنانچہ حضرت بایزید بسطامی رحمت اللہ علیہ جب اس مرتبہ میں پہونچے تو کہا لاَ اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنَ وَ سُبْحَانِی مَا اَعْظَمَ شَانِی O نہیں ہے کوئی معبود سوائے میرے۔ یعنی میں اللہ ہوں۔ پس میری عبادت کرو۔ اور میں پاک بڑی شان والا ہوں‘‘

(۵) جس کو تمام عالم نور نظر آیا وہ مرتبہ نور میں گیا۔ اور اللّٰہُ نُوْرُالسَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ کی حقیقت سے آگاہ ہوا۔

(۶) جس کی نظر سے زمان ومکان ہر دو عالم اُٹھ گئے اور ذاتِ حق کو لا مکان دیکھا وہ مرتبہ وَرَاءُ الْوَرَاء میں پہونچا۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہٗ جب اس مرتبہ پر پہونچے تو اِنِّی اَنَا اللّٰہ O یعنی میں اللہ ہوں فرمایا۔

(۷) جس نے عالم کو ذاتِ حق میں اور ذاتِ حق کو عالم میں بہ مرتبۂ عروج ونزول دیکھا وہ مرتبہ اَحَد میں آیا۔ چنانچہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہٗ جب اس مرتبہ میں پہونچے تو فرمایا کہ اَنَا حَیٌّ لَا یَمُوْتُ وَاَنَا مُقِیْمُ الْقِیَامَۃِ وَاَنَا عَاقِدُ نُطْفَۃٍ فِی الْاَرْحَامِ وَاَنَا بَاعِثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ O یعنی ’’میں زندہ ہوں، میں نہیں مرونگا اور میں قیامت کو قائم کرونگا۔ اور میں نطفہ کو ارحام (رحم کی جمع ہے) میں

باندھتا ہوں۔اور میں قبروں سے مردوں کو اُٹھاوں گا‘‘۔

(۸) جس نے عالم کو نفی اور ذاتِ حق کو ثابت دیکھا اور سوائے ذاتِ حق کہیں کسی شئے کا کچھ نشان نہ پایا وہ مرتبہ لا اَیْنَ میں پہونچا۔ چنانچہ حضرت منصور حلاج رحمت اللہ علیہ جب اس مرتبہ پر پہونچے تو اَنَا الْحَقُّ کہا۔ اور حضرت سیدُ الطَّائفہ ابوالقاسم جنیدی بغدادی رحمت اللہ علیہ جب اس مرتبہ لا اَیْنَ میں پہونچے تو فرمایا کہ لَیْسَ فِی جُبَّتِیْ اِلَّا اللّٰہ O یعنی میرے جُبہ میں کوئی نہیں ہے مگر اللہ ہے‘‘۔اور حضرت ابوبکر شبلی رحمت اللہ علیہ جب اس مرتبہ میں پہونچے تو فرمایا کہ وَاَنَ اَقُوْلُ وَاَنَا اَسْمَعُ وَهَلْ فِی الدَّارَیْنِ غَیْرِی O یعنی میں ہی کہتا ہوں اور میں ہی سنتا ہوں۔ بھلا میرے سوا دونوں جہان میں کون ہے۔‘‘

ف: سالک کی ریاضت ومحنت کے اعتبار سے ان تجلیات کا ظہور ہوتا ہے۔اور ہر مرتبہ میں مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ کے معنی اپنے عرفان کی کیفیت پر تصور کرتا ہے۔

ف: عارفُ الوجود نظرِ ظاہر کی منزل میں ہے۔اور وَاحِدُ الوجود نظرِ باطن کے مرتبہ میں ہے۔مگر حقیقت میں دونوں ایک ہی ذات ہیں۔جیسے آئینہ میں عکس صورت اور جسم میں عکسِ روح اور عالم میں عکسِ ذات۔

اُو در دل من است و دلِ من بدست اُوست
چوں آئینہ بدست مَنْ و مَنْ در آئینہ

ترجمہ: وہ میرے دل میں ہے اور میرا دل اس کے ہاتھ میں ہے۔جس طرح آئینہ میرے ہاتھ میں اور میں آئینہ کے اندر ہوں۔

ف: جب سالک یعنی طالب صادق بار اوہ الٰہی واحدُ الوجود کے مرتبہ میں پہونچ جاتا ہے تو واحد الوجود کی ذات کے سوائے کچھ باقی نہیں رہتا۔نہ عبد نہ معبود نہ عشق نہ عاشق۔چنانچہ ذکرِ خفی ’’اِلَّا اللّٰہ توں ہے لَا اِلٰہَ ہوں نیں‘‘ کا اثر ونتیجہ یہی مرتبہ خفی اور مرتبہ واحد الوجود ہے۔یعنی جب ذاکر مشاہدہ کے ساتھ ذکرِ خفی ’’اِلَّا اللّٰہ توں ہے لَا اِلٰہَ ہوں نیں‘‘ میں مشغول ہوکر اپنے وہم باطل کی نفی اور وجودِ حق کا اِثبات کرتا ہے تو اسی مرتبہ میں پہونچتا

ہے۔

ف: ظاہری نظر باطنی نظر کا پرتو ہے۔اور وجودِ جسمانی اضافی کے تحت ایک دوسرے سے جدا معلوم ہوتے ہیں۔لیکن حقیقت میں وہ ایک ہی ذات ہیں۔جیسے شمع فانوس کہ اُس کا نور جو فانوس کے اندر ہے وہی نور فانوس کے باہر بھی موجود ہے اگر فرق ہے تو اِضافت کا ہے۔

ذکرِ خفی ''اِلَّا اللہ تو ہے' لَا اِلٰہَ ہوں نیں'' کی تعلیم اور اُس کی فہم سے یہ فرقِ اضافی اور تعینِ ظاہری اُٹھ جاتا ہے اور جب حجاب اضافی اُٹھ گیا تو پھر وہی ایک نور لاتعین ہے جو پہلے تھا۔ لہٰذا ذاتِ واحدُ الوجود اور بندے کے درمیان یہی فرق اِضافی ہے۔اور کچھ بھی نہیں۔

ف: چنانچہ حضرت ابوبکر دَقاق رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''میرے انور خدا کے درمیان فرق عبودیت کا ہے''۔

؎ اور حضرت منصور حلاج علیہ الرحمت کا قول ہے کہ ''میرے اور میرے پروردگار کے درمیان کچھ فرق نہیں۔مگر دو صفتوں کے سبب سے۔ایک صفتِ ذاتیہ اور ایک صفتِ قائمیہ۔پس ہمارا قیام اُس کے ساتھ ہے اور ہماری ذات اُس کی ذات سے ہے''

؎ اور حضرت ذُوالنون مِصری رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''میرے اور اُس کے درمیان کچھ فرق نہیں۔لیکن میں نے بندگی کی طرف قدم بڑھایا''

؎ اور حضرت اُویس قرنی رضی اللہ عنہٗ کا قول ہے کہ ''جس وقت بندے کی بندگی تمام ہوئی پس اُس کا عیش اللہ تعالیٰ کے عیش کے مانند ہو جاتا ہے''یعنی جب قطرہ دریا میں مل گیا اور قطرہ کا تعین فنا ہو گیا تو دریا کا عیش' عین قطرہ کا عیش ہے۔

؎ اِن تمام اولیاء اللہ کے اقوال کے مقابل خاتم الاولیاء وسیدُ الاصفیاء مظہر ذات حضرت امام ناسیدنا مہدی موعود علیہ السلام کا فرمان حقیقت نشان دیکھئے فرماتے ہیں کہ

''بندے اور خدا کے درمیان فقط بندے کی ہستی (اَنَانِیت) کا حجاب ہے جس طالب نے اس حجاب کو اُٹھادیا پس وہ خدا کو پہونچ گیا''

سُبْحَانَ اللّٰہُ بِحَمْدِہٖ

یعنی بندہ نے اپنی ہستی (اَنَا نیت) کوفنا کر دیا تو سب صفات اسی کے ہیں۔جیسے شعاعِ آفتاب۔نہ عینِ آفتاب ہے اور نہ غیرِ آفتاب ہے۔اورسب نمودِ آفتاب کی شُعاع سے ہے اگر شعاعِ آفتاب نہ ہوتو آفتاب ندارد ہے۔ اِسی طرح اگر صفات نہ ہوں تو ذات کا ظہور نہ ہوتا۔اور وہ صفات دراصل بندے ہی ہیں۔ بندوں سے ذات جُدا نہیں اور نہ ذات بندوں سے جُدا ہے۔ بلکہ ذات کا ظہور ذات ہی سے ہے۔ اس اعتبار سے صفات عین ذات ہیں اور ذات عین صفات ۔جیسا علم ہوگا وہی ظہور اختیار کریگا۔اور جو علم ہوگا وہ نظر آئیگا۔ ہر ایک کو اُسی کا علم راہ نما ہے۔جس قدر علمِ معرفت زیادہ ہوگا اُسی قدر عرفان زیادہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت بایزید بُسطامی علیہ الرحمت کو جب اپنے نفس کا عرفان ہوا تو فرمایا کہ ''تیس برس پہلے میں خدا کو ڈھونڈتا تھا۔تو اپنے آپ کو پاتا تھا۔لیکن اب میں اپنے آپ کو ڈھونڈتا تو خدا کو پاتا ہوں''۔

تیس برس کی محنت شاقہ کے بعد یہ منزل ملی۔مگر قربانِ جایئے اُس ذاتِ اقدس سیدالاولیاومظہر ذات حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام پر سے کہ ایک اشارہ میں

''بندے کی ہستی (انانیت) کا حجاب''

''اُٹھاکر خدا سے ملادیا''

الغرض جب طالبِ صادق ذکر خفی اِلاَّ اللہ توں ہے۔لا اِلہَ ہوں نیں'' کی حقیقی تعلیم اور فہم حاصل کر کے حباب (پانی کا بلبلہ) کی طرح اپنے وہم وتعین کو توڑ دیتا ہے تو اُس مقام پر پہونچ جاتا ہے۔جہاں ذاتِ حق کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا الحاصل سالک اِن علامات وکیفیات سے معلوم کرسکتا ہے کہ میں کون سے مرتبہ میں آیا ہوں۔

ف: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت منصور حلاَّج علیہ الرحمت کی دیدنے اَنَا الْحَقّ کہنے میں خطا کی۔اور اسی طرح دیگر سالکانِ راہ طریقت بزرگوں کو بھی غلط فہمیاں واقع ہوئی ہیں جس کی وجہ سے اس طرح کا اظہار کیا

ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ: کتب عقائد میں جمہور علمائے اسلام کا مُسلّمہ مسئلہ ہے کہ اَلْجَنَّۃُ حَق وَالنَّارُ حَقٌ وَالصِّرَاطُ حَقٌ وَالْمِیزَانُ حَقٌ حقٌ لکھا ہے۔اور فرمایا ہے کہ ''ہر مسلمان کو یہی عقیدہ رکھنا چاہیئے۔اگر حَقٌ حَقٌ کا عقیدہ نہ رکھے گا تو کافر ہوگا''۔

ف: اگر کہا جائے کہ ''یہ حَقٌ باطل کے مقابلہ میں کہا گیا ہے'' تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ ''اللہ تعالیٰ نے کسی شئے کو باطل پیدا ہی نہیں کیا'' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے کہ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا بَاطِلاً O (پارہ ۲۳ رکوع ۱۲) یعنی ''اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے باطل نہیں پیدا کیا''۔

اس ارشاد سے صاف ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شئے کو باطل پیدا ہی نہیں کیا۔لہذا باطل کے خیال کی نفی ہوگئی۔

ف: اس کے علاوہ اور ارشاد فرماتا ہے کہ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا لٰعِبِیْنَ وَمَا خَلَقْنٰھُمَا اِلَّا بِالْحَقِ O وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ O یعنی اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے کھیلتے ہوئے نہیں پیدا کیا۔اور نہیں پیدا کیا ہم نے اِن کو مگر حق کے ساتھ۔لیکن اکثر لوگ اِس حقیقت کو نہیں جانتے''۔اِس آیتِ کریمہ میں کس قدر تاکید اور شدت کے ارشاد ہے کہ آسمانوں اور زمین کو اور اُن کے درمیان جو کچھ ہے بچوں کے کھیل کی طرح لہو ولعب کی مانند یا باطل نہیں پیدا کیا۔بلکہ اِن تمام کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔گویا اِن تمام کی حقیقت ذاتِ حق ہی ہے۔جن کو عرفان نصیب نہیں ہے۔وہ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

غرض اور اکثر آیاتِ شریفہ اس خصوص میں موجود ہیں۔جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر جگہ حق ہی حق موجود ہے۔تو پھر حضرت منصُور علیہ الرحمت نے اگر اَنَا الحَقّ کہہ دیا تو خطا کی؟

ف: اِس کے جواب میں اگر یہ کہا جائے کہ آیات میں حق کے معنی ''ثابتۃ'' کے ہیں۔یعنی حق کے اثبات کے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت منصور حلاّجؒ نے کیا خطا کی یہاں بھی ثَابِتَۃٌ ہی کے معنیٰ سمجھ لیجئے۔یعنی

حضرت منصورؒ کے اَنَا الْحَقُّ کو اِثباتِ حق کے معنیٰ میں لے لیجئے۔ تو اعتراض ختم ہو جاتا ہے۔

ف: حقیقت یہ ہے کہ اَنَا بِیَّتْ خَاصَّئہٖ ذاتِ حق سُبْحَانَہٗ تَعالیٰ ہے۔ اور ذات کا ذاتی نام ضمیرِ متکلم کے سِوا دوسرا نہیں یعنی اَنَا ء نَحْنُ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں ہر چیز کو اپنی طرف نِسبت دی ہے چنانچہ آیاتِ مذکورہ بالا سے ظاہر ہے۔ پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ کلام حضرت منصور علیہ الرحمت اور حضرت بایزید بُسطامی رحمت اللہ علیہ کا تھا۔ پس کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ جو چیزیں خاصہِ ذاتِ حق ہیں اُن کو ماسِوی اللہ کی طرف نسبت دیں۔ یہ بڑا ہی ظلم ہوگا۔

ف: اب غور کیجئے کہ حضرت منصور علاجؒ نے اَنَا الْحَقُّ اور حضرت بایزید بُسطامیؒ نے سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ اور حضرت جنید بغدادیؒ نے لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ اِلَّا اللّٰہ وغیرہ اور دیگر اَوْلِیَاءِ کبار نے جو کچھ کہا وہ غلطی کی۔ اَلْعَیَاذُ بِاللّٰہ تو کیا حضرت بابُ الْوِلَایت سُلطانُ العارفین حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہٗ نے قرآن حکیم کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ھٰذَا قُرْاٰنٌ صَامِتٌ وَ اَنَا قُرْاٰنٌ نَاطِقٌ یعنی ''یہ خاموش قرآن ہے اور میری ذات بولتا ہوا قرآن ہے'' اور فرمایا کہ اَنَا عَاقِدُ نُطْفَۃٌ فِی الْاَرْحَامِ وَ اَنَا بَاعِثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ ○ یعنی ''میں نطفوں کو رحموں میں باندھتا ہوں اور میں قبروں سے مردوں کو اُٹھاؤنگا''۔ کیا یہ بھی غلطی کی؟ استغفر اللہ۔ نہیں ہرگز نہیں۔

ف: اگر یہ کہا جائے کہ یہ سب معصوم عَنِ الْخَطَا نہیں ہیں جس کی وجہ غلطی کا امکان ہے۔ تو اِس کا اور ثبوت لے لیجئے کہ حضور معلم کائینات حضرت محمد رسول اللہ صلعم تو مَعصُوم عَنِ الْخَطَا ہیں۔ اور آپ کی ذات سے تو کسی غلطی کا امکان نہیں ہے۔ آپ صلعم کا ارشاد ہے کہ مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ ○ یعنی ''جس نے مجھے دیکھا پس اُس نے حق کو دیکھا''۔ گویا آپ صلعم کی ذات' حق کی ذات ثابت ہوئی اور آپ صلعم کو دیکھنا گویا عین حق کو دیکھنا ہوا۔ حضور رسول صلعم کے اس ارشاد کی تصدیق خود اللہ تعالیٰ اِن الفاظ میں فرماتا ہے کہ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَھَقَ الْبَاطِلُ ○ یعنی ''کہد و (اے محمد صلعم) کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا''۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ آپ صلعم کی تشریف آوری حق کی تشریف آوری ہے۔ یعنی آپ صلعم کی ذات عین حق کی ذات ہے۔

اور باطل سے مراد کوئی شئے یا ذات نہیں بلکہ وہم باطل ہے جس کی وجہ سے ذاتِ حق حجاب میں ہوگئی تھی ۔اب تمام اشیاء کی حقیقت جو ذاتِ حق ہے آپ صلعم کی تشریف آوری سے کھل کر سامنے آ گئی ۔

ف: حضور معلم کائینات حضرت محمد رسول اللہ صلعم سے جو علمِ معرفت وولایت حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہ کو ملا وہی آپ کے وسیلے سے اَوْلِیاءَ اللہ کو پہونچا اسی عرفان ومعرفت کے تحت اولیاء اللہ نے فرمایا۔ جو حق ہے۔

ف: حضور مظہر ذات حضرت امام آخرو الزماں امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام کی ذات جو حقیقتِ محمدی صلعم کا باطن ہے خاتم الاولیاء وَسیدُّ الاُصْفِیَآء ہیں ۔جن کی نسبت حضور مکرم حضرت رسول اللہ صلعم ارشاد فرماتے ہیں کہ اَلْوِلاَیَتُ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَہ O یعنی ولایت نبوت سے افضل ہے'' آپ کی مقدس ذاتِ ولایت مُقَیَّدہٗ محمدیہ صلعم کی مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی ربوبیت کو ظاہر کرنے کے لئے حضرت محمد رسول اللہ صلعم کو پیدا فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے کہ لَوْ لاَکَ لَمَا اَظْھَرْتُ رُبُوْبِیَّتَ O یعنی ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو اپنی رُبوبیت کو ظاہر نہ کرتا''۔ گویا آپ صلعم کے ظہور کی عِلّتِ غائی رُبوُبیت کا اظہار ہے۔ حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام مظہر ذات ربُ العزت کے مرتبہ ومقام اور آپ کی مقدس ذات کی حقیقت سے متعلق اس فقیر بے نوا کی کیا مجال ہے کہ بیان کر سکے ۔ بلکہ عُلماء محققین ہی سے سنے تو بہتر ہوگا۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمت اللہ علیہ اور دیگر علماء محققین سلف کے علاوہ علماء محققینِ مہدویہ کا آپ کی ذاتِ اقدس سے متعلق ارشاد ہے کہ

'' ہُماں مرتبہِ لا تعین در تعینِ مہدی ؑ ظاہر شدہ ''
'' برائے رُوپُوشی نامِ خود مہدی ؑ کردہ بو ُد ''

یعنی ''وہی مرتبہ لا تعین مہدیؑ کے تعین میں ظاہر ہوا۔اپنے آپ کو پوشیدہ رکھنے کے لئے اپنا نام مہدیؑ رکھا تھا'' اپنے اس اِرشاد سے متعلق کئی قرآنی دلائل اور احادیثِ صحیحہ ثبوت میں رکھتے ہیں۔ الغرض اِن مقامات اور دلائل کو پیش نظر رکھ کر غور کیجئے۔ حضور مظہر ذات حضرت اِمنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ'' اَنَا

رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ O یعنی ''میں تمام جہانوں کا پالنے والا ہوں''۔

اللہ اللہ اِس فرمان سے آپ کی حقیقت اور آپ کا مرتبہ و مقام معلوم ہو رہا ہے۔ اور اِس فرمان حقیقت نِشان کی روشنی میں ہر حقیقت سامنے آ گئی۔

ف: اِن تمام حقائق کے عِلاوہ ایک اور آخری حقیقت کہ وادی مقدسِ طُوٰی میں وہ بے زبان درخت کس وہم اور غلطی میں مبتلا ہو گیا تھا کہ اوّل حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اِن کلمات سے فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اِنَّکَ بِالْوَادِی الْمُقَدَّسِ طُوًی O (پارہ ۱۶ رکوع ۱۰) یعنی اے موسیٰ علیہ السلام ''اپنی جوتیاں اُتار دو۔ بے شک تم طُوٰی کے پاک میدان میں ہو''۔ کہہ کر اپنی طرف متوجہ کیا اور پھر اُسی درخت نے کہا کہ اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ O (پارہ ۱۶ رکوع ۱۰) یعنی بے شک میں اللہ ہوں۔ نہیں معبود سوائے میرے پس میری عبادت کر میری۔ اور نماز قائم کر میری یاد کے واسطے''۔

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وادیٔ مقدس طُوٰی میں ایک سبز زیتون کا درخت روشن و منور دیکھا۔ جب اُس درخت کے نزدیک پہونچے تو اُس درخت سے آواز آئی۔ یعنی اُس درخت نے کہا کہ اَے موسیٰؑ میں اللہ ہوں۔ جہان کا پالنے والا۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس میری عبادت کر اور میری یاد کے لئے نماز قائم کر۔

اب میں سوال کرتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس بے زبان درخت کی زبانی جو کچھ سُنا تھا۔ کیا اُس کو غلط سمجھا یا وہم یا باطل؟؟

اور درخت کے کہنے پر عمل کیا تھا یا نہیں؟ یعنی درخت کے کہنے پر اپنی جوتیاں اُتار کر درخت کے سامنے سجدے میں گر پڑے تھے یا نہیں؟ کیا وہ درخت کی آواز تھی؟ کیا وہ درخت کا دَعویٰ تھا؟ اور اِنِّیْ اَنَا اللّٰہ وغیرہ اُسی درخت کا قول تھا؟ نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ ذات اَحَدْ ہر شئے پر محیط ہے۔ چنانچہ صاف اِرشاد ہے کہ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ O ہر جگہ ذات کا ظہور ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔

ف: اگر اس قسم کی ذاتی تجلیات کا ظہور جو ہر شخص و ہر شئے پر وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے۔ غلط، وہم اور باطل پر مبنی ہو جائے تو خدا اور رسول اور رسالت و نزولِ وحی اور مومن و کافر اور بہشت و دوزخ، شریعت و طریقت و حقیقت و

معرفت وجمیع مراتب ومنازل اور تصوف وعرفان، فقر وولایت کُبریٰ وصغریٰ اور اِنکشافِ حقائق سُب کے سب باطل، غلط اور وہمی ثابت ہونگے۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہِ رَبِّی اِن خیالات سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے۔

ف: هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ اللہ تعالیٰ اس طرح کھلے الفاظ میں کیوں ارشاد فرمایا۔ اس ارشاد میں تمام راز اور پوری حقیقت پوشیدہ ہے کہ ذاتِ حق پردے کی آڑ میں کلام فرمارہا ہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم کے پارہ (۲۵) رکوع (۶) میں صاف ارشاد فرماتا ہے کہ ''بشر کی حد نہیں کہ اللہ اُس سے باتیں کرے۔ مگر اِشارے سے یا پردے کے پیچھے پیغام دینے والا۔ پس اُس کے حکم سے جو کچھ چاہتا ہے جی میں ڈال دِے۔ وہ حکمتوں والا سب سے اوپر ہے''۔

ف: حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ سُبحانہ تعالیٰ اپنی اَنَا نِیَّتُ کے اظہار کا ارادہ فرماتا ہے تو انہیں مختلف صورتوں اور شکلوں کے ذریعہ اپنی ہی اَنَانِیَّتْ کا اظہار فرماتا ہے کہ میرے سوا کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ ہر مکان ولامکان اور وَرَاءُ الْوَرَاءِ میں میری ہی ذات موجود ہے اور اِنِّیْ اَنَا اللّٰہ O یعنی ''بے شک میں اللہ ہوں'' اور وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ یعنی اور میں تمہارے نفوس (جانوں) میں ہوں مگر تم دیکھتے نہیں'' پس میری ہی ذات کا ظہور ہے۔

لہٰذا طالبِ صادق اپنی نظرِ ظاہر کے درمیان جو مختلف شکلیں اور مختلف صورتیں غیریت کی صورت میں حائل ہو رہی ہیں اِن تعینات وحجابات کو اُٹھائیگا تو ضرور ذات کا جلوہ پائیگا۔ اِنْشَاءَ اللّٰہ تعالیٰ

حقیقتِ اَنْفَاس

اَنْفَاس جمع ہے اور نَفس وَاحِد ہے۔ یہاں نفس سے مراد انسانی دم ہے صوفیائے کرام اور علماءِ محققین مہدویہ نے دَم کی بڑی اہمیت بتلائی ہے۔ حضورِ مکرم حضرت رسول اللہ صلعم نے بھی دَم سے متعلق بڑی تاکید فرمائی ہے۔ اور ارشاد فرمایا ہے کہ ایک ایک دَم کی حفاظت کی جائے۔

اللہ تعالیٰ بہ زبانِ حضرت رسول اللہ صلعم ارشاد فرماتا ہے کہ ''اے ابن آدمؑ تیرے دم میرے انبیاءؑ کی مانند ہیں۔

اگر تو میرے ذِکر کے ساتھ دَم لیتا رہا تو وہ دَم تجھ کو مجھ سے واصل کر دیگا۔ اور اگر میرے ذکر کے بغیر یوں ہی دَم لیا تو تو نے میرے انبیاء کو قتل کیا''۔

اس حدیث قدسی سے معلوم ہوا کہ انسان کے دم کی حقیقت کیا ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ ایک ایک دم ایک ایک نبی و پیغمبر کی منزل رکھتا ہے۔ حضور مظہرِ ذات حضرت امامنا سیدنا مھدی موعود علیہ السلام نے پاسِ انفاس کے ساتھ ذکرِ خفی کی تعلیم فرمائی ہے۔

ف: تعلیماتِ حضرت امامنا سیدنا مھدی موعود علیہ السلام کی روشنی میں غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ وجودِ انسان دو صفات سے موصوف ہے۔ یعنی وجودِ انسان میں جو دم کہ آتا جاتا ہے۔ اُس کے دو رُخ ہیں۔ ایک باطن دوسرا ظاہر۔ باطن کے رُخ کو ولایت اور ظاہر کے رخ کو نبوت کہتے ہیں۔ جب کہ دم باہر آتا ہے وجود کو ظاہر کرتا ہے۔ اور جسم انسانی کو فرحت بخشتا ہے اور جب واپس اندر جاتا ہے روح کو حیات بخشتا ہے۔ یعنی ظاہر ہونا نبوت ہے اور باطن ہونا ولایت ہے۔ پس انسان کی ذاتِ ولایت و نبوت سے معمور ہے۔

ف: جسم انسانی کو حیات و موت لازم ہے کیونکہ اگر یہ دم بے فرحت اوپر ہی رہا تو مُردہ ہوا۔ اور اگر اندر ہی رہا یعنی ظاہر نہ ہوا تب بھی درازی حیات سے محروم ہو کر مردہ ہوا۔ ان دونوں صورتوں میں جینا و مرنا لازم ہوا۔ پس معلوم ہوا کہ حیات کا نکلنا مُمات سے اور مُمات کا نکلنا حیات سے ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربُّ العزت ہیکہ تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ O یہ دونوں صفات جسمِ انسانی میں موجود ہیں۔ ایسا ہی ظہور نبوت کا ولایت سے اور ولایت کا نبوت سے ہے۔

ف: جب ذات کُنْتُ کَنْزاً کے مقام پر تھی ذاتِ اَحَدْ تھی۔ یعنی صرف ذات ہی ذات تھی۔ جب ذات نے چاہا کہ خود بُوجھا جاؤں یعنی پہچانا جاؤں تو شکل انسان جو عینِ رسول صلعم ہے ظہور پائی۔ وہ ذاتِ اَحَدْ خاص ولایت ہے اور ظہور میں اَنا یعنی مُقامِ تفصیل میں آنا ثبوت ہے۔ اگر چہ کہ اَحَدْ ذات ہی ذات کا مقام ہے۔ لیکن بغیر اَسمَاء و صفات ذات کا پایا جانا ممکن نہیں۔ ایسا ہی ذات کا ظہور بغیر اَسمَاء و صفات کے نہیں ہے۔ ذات سے صفات، صفات سے اَسماء ذات سے ولایت اور ولایت سے ذات لہذا ذات کے سوا ولایت کا ظہور نہیں ہے۔

اور ولایت کے سوائے نبوت نہیں۔ اس لئے وجود کو پہچاننا اور بوجھنا فرض ہوا۔ پس جس نے پہچانا وہی انسان کامل ہوا۔ ورنہ غافل مردہ ہے۔

ف: وجود انسانی چار عناصر یعنی مٹی، پانی، آگ اور ہوا کے ساتھ عبادت کے واسطے ظہور پایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربُّ العزت ہے کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ O یعنی ''اور نہیں پیدا کیا ہم نے جنات اور انسانوں کو مگر عبادت کے واسطے''۔ ایسا ہی انسان کے باطن کو بھی چار عناصر ہیں۔ عرفان، توکل، تسلیم اور مسلم۔ ان کے بغیر عشق کا بار اُٹھانا ممکن نہیں۔ اور یہ چاروں عناصر ایک دوسرے کے لازم وملزوم ہیں۔ جیسا کہ علم وعمل، پیر ومرید، اُستاد وشاگرد۔ یہ تعلیم خاص ولایت کی ہے۔ چنانچہ ارشاد ربُّ العزت ہے کہ وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعاً وَّخِیْفَۃً O (پارہ ۹ رکوع ۱۴) یعنی ''اپنے رب کو اپنے نفس میں عاجزی اور خوف کے ساتھ یاد کرو'' اور فرماتا ہے کہ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ O یعنی ''ہم تمہارے اَنْفُس (دموں) میں موجود ہیں مگر تم دیکھتے نہیں''۔ پس عاشق صادق کا فرض ہے کہ نفس پر نظر رکھے۔ اور یہی نفس ہے کہ دم بدم صورت بدلتا رہتا ہے۔ چنانچہ جب طالب سوتا ہے تو دیکھتا ہے کہ کہاں کہاں سیر و تفریح کر رہا ہے اور جس صورت میں چاہتا ہے تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ذاتِ حق سُبْحَانہٗ تَعَالٰی ہر شئے میں دائر وسائر ہے۔

ف: پس معلوم ہوا کہ جو دم کہ آتا ہے اور جاتا ہے وہ پرتو ذات ہے نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ سے حقیقت ذاکر مراد ہے اور حَمَلَھَا الْاِنْسَانَ سے یہی دم مراد ہے۔ اور جو دم کر آتا ہے وہ مرتبہ تنزیہ ہے اور جو دم کہ جاتا ہے وہ مرتبہ تشبیہ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جسم انسان کنز ہے کیونکہ اسی میں ولایت کا اور اسی میں نبوت کا ظہور ہے۔ اور مرتبہ تنزیہ وتشبیہ کا یہی انسان حامل ہے۔

صلوٰۃ الوُسطیٰ نماز دو قسم پر ہے۔ ایک ظاہری نماز ہے اور ایک باطنی نماز ہے۔ ظاہری نماز جسم سے ادا کی جاتی ہے اور باطنی نماز دل کی توجہ اور روح وسرِ حق کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ ظاہری نماز کو سورہِ فاتحہ شرط ہے اور باطنی نماز کو حضوریِ قلب کی شرط ہے چنانچہ حضرت رسول اللہ صلعم ارشاد فرماتے ہیں لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ O

یعنی ''نہیں ہے نماز مگر حضورِ قلب کے ساتھ''۔

ف: بوقت نماز یہ تصور ہو کہ میرا ظاہر میرے باطن کا اتباع کر رہا ہے۔یعنی قیام و رکوع اور سجود میں روح کی اقتدا کر رہا ہے اسی طرح اپنے جسم کو وجودِ حق جانے۔اس تصور میں اتنی ترقی ہو کہ تمام تعینات ختم ہو جائیں (اس تعلیم کو پیر کامل سے حاصل کرنا چاہئیے کیونکہ یہ مقامِ فہم ہے۔ جو تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔ چنانچہ جب حق سبحانہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلعم کو معراج میں بلایا اور حضرت جب اس مقام پر پہونچے جس کو وحدت کہتے ہیں تو حکم ہوا قِفْ یَا مُحَمَّد اِنَّ رَبَّکَ نُصَلِّی فِی الْمِحْرَابِ کَیْفَ یَشَاءُ O یعنی ٹھر جاؤ اَے محمدؐ کہ رب تیرا نماز میں ہے محراب میں جیسا کہ چاہئیے''۔

ف: اس کی تشریح یہ ہے کہ محراب سے مراد مرتبہ قاب قوسین ہے۔یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلعم کو حکم ہوا کہ محمد تعین اسمِ ونبوت ورسالت کو چھوڑ دو۔ یہ مقام وحدت ہے یہاں دُوئی کو دخل نہیں ہے۔ یہاں رب تیرا اپنی آپ نماز پڑھتا ہے۔چنانچہ اسی بناء پر حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ رَأَیْتُ رَبِّی بِرَبِّیْ O یعنی میں نے رَبّ کو رَبّ سے دیکھا''اور حضور مظہر ذات حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''خدا ہو سو خدا کو دیکھے''اسی مقام کو اَوْ اَدْنیٰ کہتے ہیں۔ لہذا اس لحاظ سے نماز میں عابد و معبود اور ساجد و مسجود ایک ہی ہوئے۔پس سالک کو بھی چاہئیے کہ اپنے باطن کا تابع رہے۔ کیونکہ کُلُّ شَیْءٍ یَرْجِعُ اِلیٰ اَصْلِہٖ O یعنی ہر شئے اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے''لہذا روح بھی اپنے اصل کی طرف رجوع کرتی ہے''۔یعنی ظاہر اپنے باطن کو سجدہ کرتا ہے۔ یہاں دُوئی کو دخل نہیں۔کیونکہ یہ مقامِ وحدت ہے۔پس اسی کو صلوٰۃُ الوُسطیٰ کہتے ہیں۔صلوٰۃُ الوسطیٰ کی نیت اور طریقہ پیر کامل سے حاصل کرنا چاہئیے۔

نماز زاہداں سجدہ سجود است   نمازِ عاشقاں ترکِ وجود است

یعنی ''زاہدوں کی نماز صرف اُٹھ بیٹھ اور سجدہ ہے اور عاشقوں کی نماز اپنے وجود کو ترک کر دینا ہے''

حق یہ ہے کہ مرتبہ تقیُّد میں سالک عابد ہے اور مرتبہ اطلاق میں معبود یعنی خود عابد و خود معبود ہے۔

ذِکرُ اللہ

یہ مسلّمہ مسئلہ ہے کہ کلمہ طیب لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ میں دو چیزیں ہیں۔ایک نفی اور ایک اِثبات۔اثبات سے مراد حق کا ثابت کرنا اور نفی سے مراد غیر حق کی نفی کرنا ہے۔

ف اب غور کا مقام ہے کہ اگر حقیقت میں غیر حق کا وجود ہی نہیں ہے تو پھر نفی کی کیا ضرورت؟ اور کس کی نفی کیجائے؟ اور اگر کوئی غیر حق موجود ہے تو اس ''نہیں نہیں'' کہنے سے یا اس نفی کے خیال میں رہنے سے غیرِ حق کا وجود کیسے اور کیوں کر ختم ہوگا؟

حقیقت یہ ہے کہ کہیں غیر حق کا وجود ہی نہیں ہے۔ بلکہ ہر جگہ اور ہر شئے میں حق ہی حق کی جلوہ گری ہے۔اس لئے یہ نفی غیر حق کی نفی نہیں ہے بلکہ اپنے ''وہم'' کی نفی ہے یعنی محض ماں باپ کے کہنے سے ہم کو اپنے (فلاں) کا یقین ہوگیا ہے۔کہ میں (فلاں) ہوں۔اور یہ یقین اس درجہ کامل ہوگیا ہے کہ کسی کے کہنے سے بھی ہم کو یقین نہیں آتا کہ میں (فلاں) نہیں ہوں۔

جس طرح ماں باپ اور دوسرے لوگوں کے کہنے کا یہ اثر اور یقین ہوگیا کہ ہم (فلاں) بن گئے اور ایسے فلاں بن گئے کہ اب کسی کے کہنے اور سمجھانے سے بھی اس نام (فلاں) میں شک وشبہ تک نہیں آتا۔ اسی طرح پیر کامل کی تعلیم وتفہیم کے تحت اپنے اس (میں فُلاں ہوں) ''وہم'' کی نفی کر کے اپنے اس نام ونشان کو فراموش کر دینا چاہئیے۔اور اس تعلیم پر یقین کامل کر کے ذرہ برابر شبہ تک نہ آنے دینا چاہئیے۔

ف: سُونچنے اور غور کرنے کی بات ہے کہ حقیقت میں ہم کون ہیں؟

عالمِ ناسوت (دنیا) میں آنے سے پہلے کہاں تھے؟

سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہم بے نام ونشان پیدا ہوئے پیدا ہونے کے بعد ماں باپ نے صرف پہچان کی خاطر رسم وعادت کے تحت (فلاں) نام سے پکارنے لگے۔اور ہم حقیقت میں (فلاں) بن گئے۔اور اپنی ہستی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے۔ہمارا اس طرح سمجھنا سراسر باطل ہے۔ اب ذِکرُ اللہ کے ذریعہ انہیں اعتبارات وتصورات کے پیش

نظر اسی ''وہم باطل'' کی نفی کر کے اپنی اصل کی طرف جانا ہے۔

اشیاءِ عَالم کی نفی سے کوئی فائدہ نہیں: اگر ہم نے اپنی ہستی کی اور اپنے وہم باطل کی نفی نہ کر کے ہزار ہا اشیاء کی نفی کر دی تب بھی لاکھوں اشیاء بلانفی باقی رہینگی ۔تو ایسی نفی سے کیا حاصل ہوگا۔اس لئے اگر اپنی ہی ہستی کی نفی کر دی جائے اور اپنے ہی وہم باطل کو ختم کر دیا جائے تو سب کی نفی ہو جائیگی۔ چنانچہ حضور مظہر ذات حضرت امامنا سیدنا مھدی موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ

" الّا اللّٰہ توُں ھے لا اِلہَ ھوُں نیں "

یعنی جو کچھ ہے تیری ہی ہستی ہے۔میری ہستی نہیں۔اور وہ کہ جس کو ہم اپنی ہستی سمجھے ہوئے ہیں یہ سب کچھ تیری ہی ہستی ہے جیسا کہ قطرہ کی ہستی، موج کی ہستی، حباب (پانی کا بُلبلہ) کی ہستی، یہ سب ایک ہی ہستی کے جلوے ہیں ۔قطرہ، موج اور حباب یہ سب دریا ہی کے جلوے ہیں۔

بخار و شبنم و ژالہ تگرگ و برف و بارانِ اَبر
یہ سب دریا کے ہیں جلوے، یہ سب دریا کے ہیں اَسماَء

اگر چہ کی صورت میں اِختلاف ہے۔لیکن سب کی حقیقت دریا ہے۔اسی لئے حضور مظہر ذات حضرت امامنا سیدنا مھدی موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ

" الّا اللّٰہ توُں ھے لا اِلہَ ھوُں نیں "

اس کلمہ ذکر میں اثبات حق اور غیر حق کی نفی ہے۔ غیر حق سے مراد ہماری اَنانیّت وہستی ہے۔جب ہماری اَنانیّت

اور ہماری ہستی اُٹھ گئی اور فنا ہوگئی تو پھر کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ تمام اشیاء کے حجابات اور تعینات ختم ہو جاتے ہیں۔ اور ہر جگہ ہر شئے میں حق ہی حق کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے۔ جب طالب حق اپنی ہستی اور اپنی انانیت کی نفی کر کے تعینات کو ختم کر دیتا ہے تو کسی شئے کا اثر باقی نہیں رہتا۔ یہی حقیقی تصدیق ہے۔ یعنی حقیقی تصدیق کا اثر یہ ہے کہ طالب کی ہستی (انانیت) ختم ہو کر تمام حجابات اٹھ جاتے ہیں اور جلوہِ حق میں طالب ڈوب جاتا ہے۔ اسی لئے حضور مظہر ذات حضرت امامنا سیدنا مھدی موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ''تصدیق بندہِ بینائی خدا''
یعنی بندے کی تصدیق خدا کی بینائی ہے۔ حَقُ اٰمَنَّا صَدَقناَ

تمام صفات اسی کے ہیں: تحقیقی نظر سے دیکھو تو واقع میں تمام چیزیں اُسی کی دی ہوئی ہیں۔ کوئی چیز ہماری نہیں ہے۔ یہ تمام اُمھّاتُ الصِفَاتُ یعنی حیات، بصر، سماعت، کلام، علم، اِرادہ اور قدرت اسی کی صفات ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ حق کے سوائے کوئی بصیر و سمیع و کلیم و علیم و مرید و قدیر نہیں ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ لَا حَیُ اِلَّا الله ، لَا بَصیُر اِلَّا اللّٰہ ، لَا سَمِیُع اِلَّا اللّٰہ ، لَا کَلِیُم الَّا الله ، لَا عَلِیمُ الَّا الله ، لَا مُرید اِلا الله ، لَا قَدِیرُ اِلّا الله ، یہ ساتوں اُمھات الصِفَات اللہ جَلَّ شاَنہٗ کے ہیں۔

بندہ میں جو صفات الٰہی نظر آ رہے ہیں۔ وہ اس کے حقیقی نہیں ہیں۔ دراصل اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کے سبب انسان صفات الٰہیہ سے متصف ہوا ہے۔

ف: انسان تو مٹی، پانی، آگ، ہوا سے بنایا ہوا ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان چار عناصر سے بنائے ہوئے خاکی پتلے میں اپنی روح پھونک کر حیات عطا فرمائی۔ حیات کے ساتھ اپنی صفات سے متصف فرمایا۔ جس کی وجہ یہ خاکی پتلا انسان کہلایا۔ اس حقیقت کے باوجود ہم یہ سمجھنا کہ یہ ہستی ہماری ہی ہے ''وہم باطل'' نہیں تو اور کیا ہے۔ اسی وہم باطل کی نفی کرنا ہے اور اسی انانیت کو فنا کرنا ہے۔

انسانوں کا فرق: عوام اور خواص کے درمیان بہت بڑا فرق ہے جیسے اَبر نیساں کا پانی تو ایک ہی ہے۔ مگر

جب یہ پانی سیپی میں گرتا ہے تو موتی بنتا ہے۔اور یہی پانی جب بانس میں گرتا ہے تو طباشیر بنتا ہے۔اور یہی پانی جب سانپ کے منہ میں گرتا ہے تو زہر بن جاتا ہے۔اسی طرح انسانوں کی کیفیت ہے۔

ف: بغیر قابلیت وصلاحیت ان صفات کا ظہور اور کمال پیدا نہیں ہوتا۔ ہر شخص کو اللہ تعالیٰ نے بصارت و سماعت اور دل عطا فرمایا ہے۔مگر ہر شخص کو ان صفات پر تصرُّف وقدرت عطا نہیں فرمائی۔مگر ہر شخص کو ان صفات پر تصرف وقدرت عطا نہیں فرمائی۔اگر ہر شخص کو عطا کر دی جاتی تو پھر سلوک ورہبری کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

حِسّ حیواں گر بَدِیدے شاہ را پس بدیدے گاؤ وخر اللہ را

یعنی اگر حیوانی حِس شاہ کو دیکھ سکتی یعنی تمیز کر سکتی تو گائے اور گدھے بھی اللہ کو دیکھتے۔ چنانچہ حضورِ مظہرِ ذات حضرت امامنا سیدنا مھدی موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''ہر کس خدائے را می بنید اَمّاَ نمی شِناسَد''

یعنی ہر شخص خدا کو دیکھتا ہے مگر پہچانتا نہیں'' کیونکہ عرفان وشناخت اور پہچان نہیں ہے۔باوجودیکہ ہر انسان میں یہ ساتوں اُمہاتِ صفات موجود ہیں مگر ان صفات کا ظہور نہیں ہے۔اسی لئے سلوک' معرفت' محنت اور ریاضت کی ضرورت ہے۔

تصفیہِ صفات: جب بچہ ماں کی پیٹ سے باہر آتا ہے ایک مدت تک بات نہیں کرتا۔حالانکہ اُس میں کلام کی صفت موجود ہے۔اُس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک غلاف کے حجاب میں رہتا ہے۔اُس غلاف کی وجہ بصارت' سماعت اور کلام سے مجبور رہتا ہے۔

اسی طرح یہ عالم فانی اوس عالم جاہدانی کے مقابل مان کے پیٹ سے زیادہ تنگ وتاریک ہے۔اس عالمِ فانی اور اس دنیا کے تعلقات حقیقی بصارت وسماعت کے مانع ہو گئے ہیں۔تاوقتیکہ ان تمام تعینات وھمی کا غلاف دور نہ ہو جائے انسان اپنی اصل میں واصل نہیں ہوسکتا۔الحاصل یہ تمام صفات محتاجِ تصفیہ ہیں۔جیسے تُخم (بیج) زمین میں بوسیدہ نہو جائے اور اپنی ظاہری شکل کو نہ مٹائے درخت نہیں ہوتا۔اگرچہ کہ ہر تخم میں درخت بننے کی صلاحیت موجود ہے۔مگر اپنی ظاہری شکل کو مٹانے کی شرط ہے اسی اُصول کے تحت ہر انسان میں کمال کی صلاحیت موجود ہے مگر اپنے ''وہم باطل'' کی نفی اور اپنی ہستی (انانیت) کو مٹانے کی شرط ہے۔

دیدار کی شرط: فرمانِ ربُّ العزت ہے کہ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَداً ۝ (پارہ۱۶ارکوع۱۲) ''یعنی پس جس کو اپنے رب کے دیدار کی آرزو ہو' عمل صالح کرے۔ اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے'' حضور مظہر ذات حضرت امامنا سیدنا مھدی موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ اس آیتِ کریمہ ''عَمَلِ صَالِح'' سے مراد فنائے وجود یعنی ہستی و خودی کو مٹانا ہے۔ جب تک یہ ہستی باقی ہے وصال حق ممکن نہیں۔ قیدِ ہستی سے رہائی پانا ہی قربِ حق کے معنی ہیں۔ اور ارشاد ہوتا ہے کہ ''زیستن بجاں یعنی بہ ہستیٔ خود کُفر است''

یعنی اپنی ہستی (انانیت) کے ساتھ جینا کفر ہے' اور شرک سے مراد یہی ہستی موہوم ہے جس کی وجہ ایمان کا نقصان ہے اور ارشاد ہوا کہ

''وَرائے ترکِ دنیا ایمان نیست''

یعنی ترک دنیا کے بغیر ایمان نہیں ہے' دنیا سے مراد اپنی ہستی (انانیت) ہے۔ چنانچہ حضور معلم کائینات حضرت رسول اللہ صلعم ارشاد فرماتے ہیں کہ اَلدُّنْيَا نَفْسُكَ فَاِذَا اَفْنَيْتَهَا فَلَا دُنْيَا لَكَ ۝ یعنی دنیا تیرا نفس (انانیت) ہے جب تو نے اس کو فنا کر دیا تو پھر تیرے لئے دنیا نہیں ہے اور ایمان سے مراد ذاتِ خدا ہے۔ اور ارشاد فرماتے ہیں کہ '' ترک دنیا ترکِ خودی ہے'' اور ارشاد ہوتا ہے کہ ''ترک دنیا ترکِ وجود ہے'' ان ارشادات کی روشنی میں ثابت ہوا کہ حقیقت میں دنیا ہمارا یہ ''میں پن'' ہے۔

ان تمام حقائق کا خلاصہ یہ کہ جب تک اپنی ہستی اور انانیت باقی ہے اوس وقت تک ایمان نصیب نہیں ہوتا یعنی خدا کو نہیں پا سکتے اور خدا کا دیدار ممکن نہیں۔

ف: جب تک نفس باقی ہے اور عالم ناسوت کی قید میں مقید ہے۔ عالم ناسوت سے رہائی نصیب نہیں تو قربِ حق اور کمال حاصل نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۝ یعنی وہ جانوروں کی مانند ہیں بلکہ اُن سے بھی بدتر ہیں' یعنی سوائے کمانے' کھانے' پینے اور بچے جننے کے دوسرا کام نہیں رکھتے۔ اللہ بچائے آمین

تَصَوَّرات: طالبانِ حق کو چاہیئے کہ ہمیشہ اپنے آپ کو مٹانے اور بھول جانے میں مشغول رہیں۔اور رات دن اسی خیال میں مست رہیں۔اور اپنے آپ کو پانی کے ایک بلبلے کی حیثیت میں سمجھیں کہ اوس کی حقیقت اول و آخر، ظاہر و باطن پانی ہی ہے۔اگر چہ کہ بُلبلہ کا تعین دریا کا غیر ہے بس اسی تعین کو ختم کر کے عین دریا ہونا ہے یا اپنے آپ کو حروف کی منزل میں تصور کرے کہ هُوَ الْاَوَّلُ هُوَ الْاٰخِرُ هُوَ الظَّاهِرُ هُوَ الْبَاطِنُ سیاہی ہی سیاہی ہے۔بغیر سیاہی حروف کا ظہور و قیام نہیں۔بغیر حروف سیاہی کا ظہور نہیں۔اسی طرح بغیر صفات کے ذات کا ظہور نہیں۔اور بغیر ذات کے صفات کا ظہور و قیام نہیں۔ پس طالب صادق اپنے آپ کو حباب (پانی کا بلبلہ تصور کر کے سراپا دریا جانے اور رات دن اسی تصور میں مشغول رہے۔

کلمہ کے اقسام: اہل کلمہ چار قسم کے ہیں

(۱) ناسوتی یعنی گفتنی (۲) ملکوتی یعنی دیدنی (۳) جبروتی یعنی چشیدنی (۴) لاھوتی یعنی شدنی۔ کلمہ کی برکت ان تمام پر محیط ہے۔

(۱) اہل ناسوت مقام گفتنی میں ہیں۔کلمہ ان کو بھی فائدہ دیتا ہے یعنی ان کو بھی جان و مال کی زنجیر سے نجات عطا ہوتی ہے۔اہل ناسوت کی مثال ایسی ہے۔جیسے پانی میں پتھر ہوتا ہے۔وصالِ حق کی انہیں کوئی خبر نہیں ہوتی۔ ناسوت نسیان (بھول) سے مشتق ہے۔پس اگر خدا کو فراموش کیا تو غفلت و بھول میں رہا اور جہنم ٹھکانہ ہوا۔اور اگر خود کو فراموش کیا تو ہدایت میں آ گیا۔

منزل فنا فی الشیخ: جب مقامِ ناسوت سے ترقی کی تو ملکوت مقامِ دیدنی میں پہونچا۔اس مقام میں اَفعال کا مشاہدہ ہوتا ہے۔اس منزل میں کچھ فنا کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔یہی منزل فنا فی الشیخ کی منزل ہے۔اس منزل میں پیر اور مرید میں کوئی فرق نہیں رہتا اس منزل میں پیر اپنے مرید کو اوس کی بھول اور غفلت کو دور کرنے یہ تعلیم دیتا ہے کہ پیر کی صورت کو ذہن میں رکھ کر اپنے وجود کو یعنی اپنے آپ کو ہمہ تن پیر سمجھے۔اس تصور (مراقبہ) میں اتنا کمال پیدا کرے کہ پیر کی ذات میں اپنے وجود کو فنا کر دے اور کسی حال میں اپنا نام ونشان یاد نہ رہے اور سرتاپا پیر بن جائے یہی منزل مشاہدہ شیخ کی منزل ہے۔یعنی اپنے وجود میں پیر کا وجود نظر آنے لگے اور مقصودِ طالبانِ حق کی

منزل اول یہی ہے۔

منزل فنافی الرسول: جب منزل ملکوت سے ترقی کی تو جبروت مقامِ چشیدنی میں پہونچتا ہے۔یعنی لَذَّت و کیف کی منزل میں آتا ہے اس منزل میں آدھی فنائیت کا درجہ ملتا ہے۔اس منزل میں صفات کے جلوے ہیں۔اس مقام میں صفات الٰہی کے تصور کے سوا اور کوئی تصور نہیں رہتا۔سالک جب اس منزل میں پہونچتا ہے تو اس کو ہر شئے میں ذاتِ حق کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے چنانچہ امیر المومنین حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''نہیں دیکھی میں نے کوئی شئے مگر اُس شئے خدا کو دیکھا'' اسی طرح باب الولایت حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ''ہر شئے میں میں نے خدا کو دیکھا'' یعنی ہر شئے میں صفات الٰہی کا ظہور ہے صفات الٰہی عین ذات ہیں مثال کے طور پر اگر کسی کو دریا دیکھنے کی تمنا ہو تو اسکو چاہئیے کہ قطرہ' حباب' برف' بارش' ژالہ اور موج کو دکھے کہ دریا انہیں تعینات سے ظاہر ہے۔

ف: اس مقام جبروت میں حقیقتِ محمدی صلعم کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے چنانچہ حضرتہ بی بی فاطمۃ الزہراؓ سے روایت ہے کہ ''میرے بچپن میں ایک دن حضور مکرم صلعم وضو فرمارہے تھے۔آپ کے سر پر تاج تھا۔آپ صلعم نے اوس تاج کو اپنے سر سے اتار کر میرے سر پر رکھدیا۔پس میں جس طرف دیکھتی تھی سوائے محمد صلعم کی صورت کے دوسری صورت نظر نہ آتی تھی''۔

یعنی ہر طرف حضور مکرم حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی صورت نظر آرہی تھی۔دوسری صورتیں معدوم ہوچکی تھیں اسی مرتبہ کو فنافی الرسول کی منزل کہتے ہیں۔اس منزل میں اَنِیَّتِ ذاتی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

منزل فنافی اللہ: جب سالک منزل جبروت سے ترقی کرتا تو لاھُوت مقام شدنی میں پہونچتا ہے۔یہ منزل کامل فنائیت کی منزل ہے جب کامل فنائیت حاصل ہوگئی تو یہی مرتبہ فنافی اللہ ہے۔اس منزل میں ذاتِ حق کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ حضور مظہر ذات حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام نے ذکر خفی " اِلَّا اللّٰــہ تو ُں ھے لَا اِلٰــہَ ھو ُں نیں " کی تلقین و تفہیم سے طالبِ حق کو تمام تعیناتِ وہمی سے جدا اور قیدِ ہستی سے رہا فرمادیتے تھے۔بصدقہِ حضور مظہر ذاتؑ رسم و عادت وبدعت کہ جس سے اَنیتِ

وہمی مراد ہے۔ وفع ورفع ہوجاتی ہے۔ اور سالک ولایت ذات میں گم اور واصل بحق ہوجاتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ O

اقسام ذکر جملہ محققین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ذکر کے پانچ اقسام ہیں۔ (۱) ذکر لسانی (۲) ذکر قلبی (۳) ذکرِ روحی (۴) ذکرِ سری (۵) ذکر خفی

یہ تمام اذکار اپنی اَنانیت کے وہم کی نفی کے لئے ہیں کہ اپنے آپ کو جو ''ہم فلاں'' سمجھے ہوئے ہیں۔ اسی اپنے ''میں پن'' کو ختم کیا جائے۔

ف: ان پانچ اقسام کو یوں سمجھئے کہ (۱) کوئی اپنی جگہ بیٹھ کر معشوق کو صرف یاد کرتا ہے اُس ذکرِ لسانی کہتے ہیں۔ (۲) کوئی اپنی جگہ سے اُٹھ کر معشوق کی طرف روانہ ہوتا ہے اُس کو ذکرِ قلبی کہتے ہیں۔ (۳) کوئی معشوق کو دیکھتا ہے اُس کو ذکرِ سری کہتے ہیں۔ (۵) کوئی معشوق میں واصل ہوجاتا ہے اس کو ذکر خفی کہتے ہیں۔

ف: تمام اولیاءِ سابقین ذکرِ لسانی سے ابتداء فرماتے تھے اور اُن کے اذکار کی انتہا ذکرِ خفی تھی۔ ابتدائی چاروں اذکار پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ہر منزل ذکر میں ذاکر یعنی عاشق کا وجود باقی رہتا ہے۔ مگر انتہائی ذکر یعنی ذکرِ خفی میں ذاکر کا وجود باقی نہیں رہتا بلکہ واصل بحق ہوجاتا ہے۔ اسی لئے حضور معلم کائینات حضرت رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ اَفْضَلُ الذِّکْرَ ذِکْرِ خَفِیٌّ O یعنی تمام اذکار الٰہی ذکرِ لسانی، ذکر قلبی، ذکرِ روحی اور ذکرِ سری سے ذکرِ خفی افضل ہے

ف: حضرت خاتم الاولیاء سید الاصفیاء مظہر ذات امامنا سیدنا مھدی موعود علیہ السلام چونکہ دیدار ربُّ العزت کی دعوت پر مبعوث و مامور ہوئے تھے۔ اس لئے انتہائی ذکر یعنی ذکرِ خفی سے ابتداء فرمائی۔ اور خاص و عام ہر ایک کو اسی ذکر خفی کی تعلیم فرمائی۔ حقیقت میں تمام افکار و اذکار کا خلاصہ پندار وہستی (انانیت) کا ترک وفنا کرنا ہے۔ حضور مظہر ذاتؑ نے فرمایا کہ

''ہماری ابتداء عین انتہا ہے''

اور فرمایا کہ ''میرا راستہ قریب ترین راستہ ہے'' یعنی اَقْرَبُ الطَّرِیْقِ O وہ یہی ذکر خفی ہے۔ اولیاء اللہ نے

جس چیز کو سالہا سال کی محنت ومشقت سے حاصل فرمایا تھا۔ وہ بطفیل حضور مظہر ذات حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام بہ یک نظر حاصل ہوئی اور ہوتی ہے۔

اصول ذکر: ذاکر یعنی طالبِ حق اپنے وجود کو جو کہ حقیقت میں نابود ومعدوم ہے نابود ومعدوم سمجھے۔ اور اپنی اس ہستی کو حق کی ہستی جانے۔ اور اس فہم پر پختہ اور کامل ہو جائے۔ بہ تصدقِ حضور مظہر ذات حضرت امامنا سیدنا مہدی موعود علیہ السلام اس فہم کی بدولت آنِ واحد میں خدا کو پہونچتا ہے اور طے مراتبِ سلوک اور مختلف اَذکار لسانی، قلبی، روحی اور سِّری کی حاجت نہیں رہتی۔ جب خود کو فراموش کر دیا اور اپنی اَنانیت کو فنا کر دیا تو ذکر خفی کا حاصل مل گیا۔ اور ذکر خفی کا نتیجہ وحاصل یہی ہے کہ اپنی اس ہستی موہوم کو ہستی حق جانے۔

جب خود کو فراموش کر دیا اور اپنا اَنانیت کو فنا کر دیا تو ذکرِ خفی کا حاصل مل گیا۔ اور ذکر خفی کا نتیجہ وحاصل یہی ہے کہ اپنی اس ہستی موہوم کو ہستی حق جانے۔

ف: ذکر اللہ میں بیٹھنے کا ایک خاص طریقہ ہے۔ مجبوری کی حالت میں جس طرح چاہیں بیٹھیں اجازت ہے۔ مگر تندرستی کی حالت میں مخصوص نشست سے بیٹھنا چاہئیے۔ ہر حال میں پاس انفاس اور توجہ قلب ضروری ہے۔ ذکر اللہ شروع کرنے سے پہلے خاطر جمعی، حفاظتِ حواس خمسہ اور انتشارِ خیال کی حفاظت کے لئے ذکر واللہ کا اَستغفار اور ذکر اللہ کا درودِ شریف جو مخصوص ہے وہ پڑھیں۔ ورنہ شیطان کے مختلف وساوس کی وجہ دل نہیں جمتا۔ گھبراہٹ ہو کر بے چینی پیدا ہو جاتی ہے۔ ذکرُ اللہ سے دل بھاگنے لگتا ہے۔

ف: ذکرُ اللہ کی نشست کا طریقہ، ذکرُ اللہ کا استغفار، ذکر اللہ کا درُودِ شریف، مشاہدہ کی تعلیمات اور ذکرِ خفی کے اعتبارات وتصورات اپنے پیر وکامل سے حاصل کر کے ذکر میں مصروف ومشغول ہونا چاہئیے۔ جب تک یہ چیزیں حاصل نہ ہونگی ذکرِ خفی کا جو مقصودِ حقیقی ہے وہ حاصل نہ ہوگا۔

ذکرِ خفی: جو خیال بھی انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ ایک فرشتہ ہے جو اُس خیال سے بھی آگاہ اور واقف ہو جاتا ہے۔ مگر ذکرِ خفی وہ ہے کہ اس سے وہ فرشتہ بھی آگاہ نہیں ہوسکتا۔ یعنی خفی وہ ہے کہ خود کو گم کر کے بے خودی میں رہے اور جب بے خودی طاری ہوگئی تو مقامِ ملکوت میں داخل ہو گیا یہ بے خودی کلمہ طیب یعنی ذکر خفی

" الّا اللّٰہ توُں ھے لَا اِلٰہَ ھوُں نیں "

کے معنی واعتبارات کی فہم (سمجھ) حاصل ہونے سے طاری ہوتی ہے۔ خفی کے معنیٰ خود کو پوشیدہ کر دینے کے ہیں تاوقتیکہ یہ معنیٰ کی منزل حاصل نہ ہوانوارِ جمال ذاتِ الٰہی نہیں دیکھ سکتے۔

ف: مقصودِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ یہی ہے کہ لَا مَوجُودَ اِلَّا اللّٰہ یعنی میں نہیں ہوں اور جو کچھ ہے توہی ہے۔ نہ یہ ذات میری ہے اور نہ یہ صفات میرے ہیں۔ اور نہ یہ حیات میری ہے اور نہ بینائی میری ہے۔ اور نہ سماعت میری ہے۔ اور نہ کلام میرا ہے۔ اور نہ یہ علم میرا ہے۔ اور نہ میں ارادہ رکھتا ہوں۔ اور نہ مجھکو قدرت ہے۔ اور نہ یہ نام میرا نام ہے۔ میں کچھ نہیں ہوں یہ سب کچھ تیرا ہی ہے اور سب کچھ توہی ہے۔

ف: یہ بات ظاہر اور ثابت ہے کہ مُقَید عین مطلق ہے۔ جیسا کہ خاک یعنی مٹی مطلق ہے اور ظروف یعنی کوزہ' گھڑا صحنک وغیرہ مقید۔ اس طرح سیاہی مطلق ہے اور حروف مقید۔ اسی طرح زر (سونا) مطلق ہے اور زیور مقید۔ اگر دریا کی موج خود کو دریا کہے۔ یا حروف اپنے کو سیاہی کہیں یا کوزہ' گھڑا اپنے کو مٹی کہیں۔ اور زیور اپنے کو زَرُ (سونا) کہے تو کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟ عین حقیقت ہے اور بالکل حق ہے اور مثال کے طور پر دریا کی موج کہتی ہے کہ میں عینِ دریا ہوں۔ میرا امتحان کرو کہ میں سرتاپا دریا ہوں۔ دریا میرے تعین سے ظاہر ہے اور مجھ میں دریا کے سوا کوئی شئے نہیں ہے۔ وہی ذات وہی صفت ہے۔ تو کیا یہ غلط ہوگا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ حق ہے۔ چنانچہ حضور معلم کائینات حضرت رسول اللہ صلعم کا ارشاد اس امر کی بین دلیل ہے کہ مَنْ رَاٰنِی فَقَدْ رای الْحَقَ O یعنی جس نے مجھے دیکھا پس اُس نے حق کو دیکھا''

کلمات ذکرِ خفی: ذکر خفی کے کلمات یہ ہیں:

" الّا اللّٰہ توُں ھے لَا اِلٰہَ ھوُں نیں "

یہ ذکر دَم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جب دم (سانس) جسم کے اندر جائے تو''" الّا اللّٰہ توُں ھے اور جب دم جسم سے باہر آئے تو" لَا اِلٰہَ ھوُں نیں "

اوراس طریقہ پرتصور کرنا چاہئے کہ دم کا تار تَحتُ الثریٰ سے لامکان تک ہے۔اوراپنی (یعنی ذاکرکی) ذات ولایت مقیدہ ہے۔یعنیؒ " الّا اللّٰہ تو ہے " کی منزل تعین اول حقیقت ولایت مقیدہ اور "لا اِلٰہ ھو نیں " کی منزل لا تعین اور کَنزِ مَخفِی کی منزل ہے۔ دیکھا آپ نے ذکر خفی کا کیا مرتبہ اورکیا مقام ہے اَللّٰہُ اَکبَرُ ۔

ف: اس سے آگے اور صاف الفاظ میں اس کی تعلیم وتفہیم پیر کامل کے دامن سے وابستہ ہوکر حاصل کرنا چاہئیے ۔کیونکہ یہ تعلیمِ باطن ہے۔تحریر میں نہیں لائی جاسکتی بلکہ سینہ بہ سینہ دی جاتی ہے۔جس کوطلبِ صادق ہےاور اللہ کو پانے کی تمناوآرزو ہےاوس کو چاہئے کہ ہرقسم کی قید کوتوڑ کر ہراوس مقام سے حاصل کرے جہاں سے مل سکتی ہے وَمَا تَوفِیقِی اِلَّا بِاللّٰہ

خاتمہ کتاب اوردُعاء

میرے ایمانی بھائیوں کے شدیدتریں تقاضوں پر یہ کتاب مَوسُوم بہ "وَسِیلَہ" لکھی گئی تا کہ ہرخاص وعام طالبانِ حق اس سے فائدہ اُٹھائیں۔

تصوّف وعرفان ایسا دریائے وحدت ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ۔ بڑی محنت وکوشش سے مختصر کرنے پربھی طویل ہوگئی۔اس سے زیادہ اگر بیان کرتا تو بہت طویل ہوجاتی ۔طوالت کا اگرخوف نہ ہوتا تو مشاہدہ کی باطنی حقیقت اور اُس کی تعلیمات، مراقبہ کی باطنی کیفیت اوراُس کے تصورات، حقیقت سیر ولایت وسیر نبوت، فیض مقیدہ ماہیّت و افضلیتِ چشم سر، ذکر خفی بلا واسطہ کی حقیقت شرح اٰمَنتُ باللہ، ماہیتِ فرائضِ ولایت، نمازِ تہجداوراُس کے اعمال و اَذکار، ماہیتِ گندم، نقلِ شہباز، نقل گندم کاشت، زیارت کامل، حقیقتِ پسخوردہ اوراُس کا باطنی مراقبہ، مرض الموت یعنی سکرات کی حالت کا ذکرُ اللہ اورتوجہ باطنی، میت کا باطنی غسل یعنی غُسلِ خاص الخاص، نماز جنازہ کی باطنی تعلیمات قبر میں رونمائی (یعنی منہ دکھائی) کا رازاوراُس کی حقیقت، حقیقتِ مُشتِ خاک اوراُس کے مراقبہ کے اعتبارات وتصورات، قبرپرمُہر کارازاوراُس کی حقیقت، فاتحہَ خاص الخاص اوراُس کا طریقہ، کشفِ ملائکہ وارواح،

کشفِ قبور، کشفِ وَ قائقِ واُمورِ مشکلات، حصولِ زیارت حضور مکرم حضرت رسول اللہ صلعم کا طریقہ اور تعلیم ذات اِن تمام عنوانات کو تفصیل و تفہیم کے ساتھ بیان کرتا۔ اور ساتھ ہی اسماءِ الٰہی اور اُن کی تاثیرات، اوراد و وظائف و اعمال کی تشریح اور تعلیم سند کے ساتھ پیش کرتا۔ مگر افسوس کہ محض کتاب کے طویل ہو جانے کے خوف سے بیان نہیں کیا اور کتاب کو ختم کر دیا۔ آیندہ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق اور اسباب عطا فرما دیئے تو ان تمام کی تفصیلات و تعلیمات بھی طالبانِ حق کی تعلیم اور رہبری کی خاطر پیش کر دونگا۔ انشا اللہ تعالیٰ

اب صمیمِ قلب کے ساتھ بارگاہ رَبُّ العزت میں دُعا کرتا ہوں کہ یَا رَبُّ العَالَمِیْنَ اپنے خاص فضل و کرم سے بطفیل خاتمین علیھم السلام و پنجتن پاک و بہ صدقہ فقراءِ کرام و مہاجرینِ عظام اس کتاب ''وسیلہ'' کے شایع کرنے والے میرے ایمانی بھائیوں کو اس کا اَجرِ عظیم عطا فرما اور دین و دنیا جہان کی نعمتوں اور برکتوں سے مالا مال کر دے آمین۔ اور ہر طالب حق کو صراط مستقیم عطا اور تیرے عرفانِ حقیقی سے سرفراز فرما۔ آمیناً اور ان تمام کے صدقہ میں مجھ فقیر صوفی بے نوا کو اپنا بنا لے۔ اور ایسا اپنا بنا لے کہ یہ سب کچھ تیرا اور تو ہی تو ہو جائے۔

آمِیْنُ ثُمَّ آمِیْنُ یَا رَبُّ الْعَالَمِیْنَ o